خطباتِ فقیر جلد ہفتم

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مرتب

محمد حنیف نقشبندی

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

نام کتاب ——— خطبات فقیر جلد ہفتم

ازافادات ——— حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب ——— محمد حنیف نقشبندی

ناشر ——— مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد

اشاعت اول ——— اکتوبر 2001ء

اشاعت بارہ ——— فروری 2010ء

تعداد ——— 1100

کمپیوٹر کمپوزنگ ——— فقیر شاہد مسعود نقشبندی غفرلہ

فہرست

عرض ناشر

محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف پر مبنی بیانات کو شائع کرنے کا یہ سلسلہ خطبات فقیر کے عنوان سے 1996ء مطابق ۱۴۱۷ھ میں شروع کیا تھا اور اب یہ ساتویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس طرح شاہین کی پرواز ہر آن بلند سے بلندتر اور فزوں سے فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے کچھ یہی حال حضرت دامت برکاتہم کے بیانات حکمت ومعرفت کا ہے۔ ان کے جس بیان کو بھی سنتے ہیں ایک نئی پرواز فکر آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ کوئی پیشہ ورانہ خطابت یا یاد کی ہوئی تقریریں نہیں ہیں بلکہ حضرت کے دل کا سوز اور روح کا گداز ہے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر آپ تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ بقول شاعر

؎ میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ خانہ

''خطبات فقیر'' کی اشاعت کا یہ کام ہم نے اسی نیت سے شروع کر رکھا ہے کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کی فکر سے سب کو فکرمند کیا جائے اور انہوں نے اپنے مشائخ سے علم وحکمت کے جو موتی اکٹھے کر کے ہم تک پہنچائے ہیں، انہیں

موتیوں کی مالا بنا کر عوام تک پہنچایا جائے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جو ان شاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔ قارئین کرام کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اس مجموعہ خطبات کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحر معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہل دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت، ذہانت و فطانت اور حلاوت و ذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہل ذوق حضرات کو محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملتا ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اشاعت کے اس کام میں کہیں کوئی کمی یا کوتاہی محسوس ہو یا اس کی بہتری کے لئے تجاویز رکھتے ہوں تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تا زیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے آخرت کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ

فقیر شاہد محمود نقشبندی غفرلہ
خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

الحمد لله الذی نور قلوب العارفین بنور الایمان و شرح صدور الصادقین بالتوحید و الایقان و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و علیٰ الہ و اصحابہ اجمعین . اما بعد!

اسلام نے امت مسلمہ کو ایسے مشاہیر سے نوازا ہے جن کی مثال دیگر مذاہب میں ملنا مشکل ہے۔ اس اعتبار سے صحابہ کرام ﷺ صف اول کے سپاہی ہیں۔ جن میں ہر سپاہی اصحابی کالنجوم کے مصداق چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے، جس کی روشنی میں چلنے والے اھتدیتم کی بشارت عظمیٰ سے ہمکنار ہوتے ہیں اور رشد و ہدایت ان کے قدم چومتی ہے۔ بعد ازاں ایسی ایسی روحانی شخصیات صفحۂ ہستی پر رونق افروز ہوئیں کہ وقت کی ریت پر اپنے قدموں کے نشانات چھوڑ گئیں۔

عہد حاضر کی ایک نابغۂ عصر شخصیت، شہسوار میدان طریقت، غواص دریائے حقیقت، منبع اسرار، مرقع انوار، زاہد زمانہ، عابد یگانہ، خاصہ خاصان نقشبند، سرمایہ خاندان نقشبند حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالی مادامت النہار واللیالی ہیں۔ آپ منشور کی طرح ایک ایسی پہلو دار شخصیت کے حامل ہیں کہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس میں قوس قزح کی مانند رنگ سمٹے

ہوئے نظر آتے ہیں۔آپ کے بیانات میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ حاضرین کے دل موم ہو جاتے ہیں۔ عاجز کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ان خطبات کو تحریری شکل میں یکجا کر دیا جائے تو عوام الناس کے لئے فائدہ کا باعث ہوں گے۔ چنانچہ عاجز نے تمام خطبات شریف صفحہ قرطاس پر رقم کر کے حضرت اقدس کی خدمت عالیہ میں تصحیح کے لئے پیش کیے۔الحمد للہ کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ذرہ نوازی فرماتے ہوئے نہ صرف ان کی تصحیح فرمائی بلکہ ان کی ترتیب و تزئین کو پسند بھی فرمایا۔ یہ انہی کی دعائیں اور توجہات ہیں کہ اس عاجز کے ہاتھوں یہ کتاب مرتب ہو سکی۔

ممنون ہوں میں آپ کی نظر انتخاب کا

حضرت دامت برکاتہم کا ہر بیان بے شمار فوائد و ثمرات کا حامل ہے۔ان کو صفحات پر منتقل کرتے ہوئے عاجز کی اپنی کیفیت عجیب ہو جاتی اور بین السطور دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہوتی کہ کاش کہ میں بھی ان میں بیان کردہ احوال کے ساتھ متصف ہو جاؤں ۔ یہ خطبات یقیناً قارئین کے لئے بھی نافع ہوں گے۔ خلوص نیت اور حضور قلب سے ان کا مطالعہ حضرت کی ذات بابرکات سے فیض یاب ہونے کا باعث ہوگا۔

اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سے کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما کر بندہ کو بھی اپنے چاہنے والوں میں شمار فرمالیں۔آمین ثم آمین

فقیر محمد حنیف عفی عنہ

ایم اے۔ بی ایڈ

موضع باغ ، جھنگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاذکرونی اذکرکم

ازافادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

جوانسان اللہ رب العزت کی یاد سے آنکھیں
چرالیتا ہے، اللہ رب العزت اس پر شیطان کو
مسلط کر دیتے ہیں۔ اس سے بڑی کوئی سزا
نہیں ہوسکتی۔ یوں سمجھئے کہ اس کو دشمن کے
حوالے کر دیتے ہیں۔ جیسے کوئی آدمی اگر کسی
دشمن سے راہ رسم رکھے تو وہ اسے دشمن کے
ہی حوالے کر دیتا ہے کہ تو جان اور تیرا کام۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُا
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo
فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَ اشْکُرُوْالِیْ وَلَا تَکْفُرُوْن
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَ الْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

ذکر کے معانی:

''ذکر'' عربی زبان کا لفظ ہے جو قرآن مجید میں کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔سب سے پہلے تو یہ لفظ قرآن مجید کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن ۔ بیشک ہم نے ہی اس نصیحت نامے کو نازل کیا اور اس کی حفاظت کے بھی ہم ہی ذمہ دار ہیں۔ یہاں ذکر کا لفظ قرآن مجید کے لئے استعمال ہوا ہے۔اس کا دوسرا معنی ''اللہ تعالیٰ کی یاد'' ہے۔ آج کی محفل میں جو ذکر کا لفظ استعمال ہوگا وہ اللہ رب العزت کی یاد کے معنی میں استعمال ہوگا۔

خواص کے نزدیک ذکر کی حیثیت:

اللہ رب العزت کی یاد ایک ایسا عمل ہے جس کو آج کے دور میں ایک نفلی کام

سمجھا جاتا ہے اس کی اہمیت دلوں سے نکلتی جا رہی ہے۔ عوام کا تو کیا کہنا، آج خواص بھی ذکر کے بارے میں غفلت برتتے ہیں، اس لئے زندگیاں ذکر کی برکات سے خالی ہوتی جا رہی ہیں۔

محسن حقیقی:

اللہ تعالیٰ ہمارے محسن ہیں، خالق ہیں، مالک ہیں اور رازق ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے اس محسن کے ساتھ سچے دل سے محبت کریں، اس کی نعمتیں یاد کر کر کے اس کا شکر ادا کریں۔ اسی کے عشق میں اپنی زندگیاں بسر کریں، اسی کے سامنے اپنی فریادیں پیش کریں اور اسی کی محبت کے گیت گایا کریں۔

ہمارا سب سے بڑا دشمن:

شیطان ہمارا اتنا بڑا دشمن ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں وضاحت کے ساتھ بتا دیا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا (الفاطر:۶) بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن بنا کے رکھو اور جو غفلت کی وجہ سے شیطان کے چکر میں آ گئے ان کو تنبیہ فرمائی۔ اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اے بنی آدم! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی نہیں کرو گے۔ یہ تمہارا ظاہر باہر دشمن ہے۔ وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ اور تم صرف میری عبادت کرو گے۔ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ یہ ہے سیدھا راستہ۔ اللہ رب العزت کی بات ماننے والے حزب الرحمٰن ہیں اور شیطان کی پیروی کرنے والے حزب الشیطان ہیں۔

شیطان کا تسلط:

جو آدمی اللہ رب العزت کی یاد سے آنکھیں چرا لیتا ہے۔ اللہ رب العزت اس

پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں ۔ اس سے بڑی سزا کوئی نہیں ہو سکتی ۔ یوں سمجھئے کہ اس کو دشمن کے حوالے کر دیتے ہیں ۔ جیسے ایک آدمی اگر کسی کے دشمن سے راہ و رسم رکھے تو وہ اس کو دشمن کے حوالے کر دیتا ہے کہ تو جان اور تیرا کام جانے ۔ چنانچہ قرآن عظیم الشان میں فرمایا گیا وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ اور جو رحمٰن کی یاد سے آنکھ چرائے ۔ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں ۔ فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ (زخرف:۳۶) اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے ۔ قرآن مجید سے معلوم ہوا کہ ایسا بندہ شیطان کے پنجے میں پھنس جاتا ہے اور اس کا پیروکار بن جاتا ہے ۔

شیطان کے داؤ سے بچنے کا طریقہ:

شیطان کے داؤ سے بچنے کے لئے ہمارے پاس سب سے بڑی چیز " اللہ کا ذکر " ہے ۔ ذکر کریں گے تو شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچ جائیں گے ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا ۔ بے شک جو پرہیزگار اور متقی لوگ ہیں ، جب شیطان کی ایک جماعت ان کے اوپر حملہ آور ہوتی ہے تو وہ اللہ رب العزت کو یاد کرتے ہیں اور اللہ رب العزت انہیں شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ فرما لیتے ہیں ۔

ایک مثال سنئے کہ ابرہہ نے اپنے لشکر کے ساتھ بیت اللہ پر حملہ کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت کے لئے ابابیلوں کو بھیج دیا ۔ انہوں نے کنکریاں برسائیں اور ابرہہ کے پورے لشکر کا بھوسہ بنا کر رکھ دیا ۔ بالکل اسی طرح یہ دل بھی اللہ رب العزت کا گھر ہے ۔ اے بندے ! یہ شیطان جب ابرہہ بن کر تیرے دل کے گھر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو تو بھی لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگا ، یہ وہ کنکریاں بن جائیں گی جو شیطان ابرہہ کے لشکر کو برباد کر کے رکھ دیں گی ۔

دل کی صفائی کا ذمہ دار کون؟

یہاں ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ جب دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتے بھی ہیں کہ دل صاف ہو تو وہ خود ہی دل کو صاف کیوں نہیں فرما دیتے؟ علما نے اس کا جواب لکھا ہے کہ یہ دل اللہ رب العزت کا گھر ہے۔ہم میزبان ہیں اور اللہ رب العزت مہمان ہیں لہٰذا گھر کی صفائی کی ذمہ داری میزبان پر ہوا کرتی ہے مہمان پر نہیں۔ اس لئے یہ بندے کی ذمہ داری ہے کہ وہ دل کو صاف کرے تا کہ مہمان اس میں تشریف لا سکے۔

رحمان کا بسیرا:

اللہ رب العزت بھی حیران ہوتے ہوں گے کہ اے میرے بندے! میں نے تیری وجہ سے شیطان کو تیرے گھر یعنی جنت سے نکال دیا، کیا تو میری وجہ سے شیطان کو میرے گھر یعنی اپنے دل سے نہیں نکال سکتا؟ جب شیطان دل سے کوچ کر جائے گا تو پھر اس میں رحمان کا بسیرا ہوگا۔

شیطان کے لئے خطرناک ترین ہتھیار:

ایک عام دستور ہے کہ جب آدمی اپنے دشمن پر قابو پالیتا ہے تو وہ اس سے سب سے پہلے وہ چیز چھینتا ہے سب سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے مثلاً جب فوجی کسی دشمن کو قابو کریں تو اسے کہتے ہیں ''ہینڈز اپ''۔ ہینڈز اپ کا یہ مطلب ہے کہ تمہارے ہاتھ میں خطرناک چیز ہوگی، تم ہاتھ اوپر کرلو تا کہ میں اس خطرے کی چیز سے بچ جاؤں۔قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بھی جب کسی بندے پر غالب آتا ہے تو اس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے کیونکہ انسان کے پاس شیطان سے بچنے کے لئے سب سے بڑا ہتھیار اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔

ارشاد فرمایا، اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ شیطان ان پر چڑھ آیا اور اس نے ان کو اللہ کی یاد سے بھلا دیا۔ اس نے ان سے وہ ہتھیار چھینا جو سب سے زیادہ خطرناک تھا۔

شیطان کا فرائض پر حملہ:

جب شیطان انسان کو اللہ کی یاد سے بھلا کر اپنے قدم آگے بڑھاتا ہے تو پھر انسان کی نمازیں اور دوسرے فرائض بھی چھوٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ذکر کا تذکرہ نماز سے بھی پہلے فرمایا، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ۔ دیکھیں کہ یہاں نماز کا تذکرہ بعد میں اور ذکر کا تذکرہ پہلے کیا کیونکہ اس کا پہلا وار ہی ذکر پر ہوتا ہے۔ جب شیطان انسان کو ذکر سے غافل کر دیتا ہے تو گویا پہلی باؤنڈری لائن ٹوٹ جاتی ہے اس کے بعد دوسری چوٹ انسان کے فرائض اور عبادات پر پڑتی ہے۔ اس لئے جو انسان اپنی نمازوں کو بچانا چاہے اسے چاہئے کہ وہ اللہ کی یاد کے ذریعے ان فرائض کے گرد ایک حصار قائم کر لے کیونکہ عقلمند انسان وہی ہوتا ہے جو اپنے دشمن کو اپنی باؤنڈری سے دور ہی رکھے۔

نماز میں بھی نماز سے غفلت:

جب شیطان انسان کا پیچھا کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں ہے تو وہ پھر اس کی نماز میں بھی وسوسے ڈالتا ہے۔ پھر قیام میں کھڑے ہونے کی حالت میں بھی التحیات پڑھ رہے ہوتے ہیں اور التحیات کی حالت میں سورۃ فاتحہ پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ نماز کے اندر ہوتے ہوئے بھی نماز سے باہر

ہوتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ سارا دن ہم دکان کے اندر ہوتے ہیں اور جب نماز شروع کرتے ہیں تو دکان ہمارے اندر ہوتی ہے۔ یہ فقط حاضری ہوتی ہے، حضوری نہیں ہوتی۔ جب کہ اللہ رب العزت کو دونوں مطلوب ہیں۔ اس لئے حاضری بھی دی جائے اور حضوری کے ساتھ دی جائے کیونکہ فرمایا لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ کہ حضور قلب کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں ہے۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے قرب قیامت کی علامات میں سے ہے کہ مسجد تو نمازیوں سے بھری ہوئی ہوگی لیکن ان کے دل اللہ رب العزت کی یاد سے غافل ہوں گے۔

نماز میں گناہ کبیرہ کا منصوبہ:

انتہائی افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے۔ ایک نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا، حضرت! میں نماز بھی پڑھ رہا تھا اور کبیرہ گناہ کرنے کا پروگرام بھی بنا رہا تھا۔ نماز کی یہ حالت ذکر سے غفلت کی وجہ سے بنی۔ شیطان کو پیچھے نہیں روکا جاتا اس لئے وہ گھر پر حملہ آور ہوتا ہے۔

کیسی نماز سے سکون ملتا ہے؟

نماز کا اصلی مقصد بھی اللہ رب العزت کی یاد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ میری یاد کی خاطر نماز قائم کر اور جب انسان تعدیل ارکان کے ساتھ نماز پڑھے، نماز میں خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ ہو تو اسے ایسی نماز سے سکون ملتا ہے۔ اس کے من کی دنیا روشن ہوتی ہے۔ پھر انسان گناہوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے اسی لئے تو فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اگر ہماری نماز ہمیں گناہوں سے نہیں روک رہی تو معلوم ہوا کہ ابھی نماز بنی ہی نہیں ہے۔ جب نماز نماز بن جائے گی تو پھر

یہ برے کاموں سے روک کر رکھ دے گی۔

اولیائے کرام جیسی نماز پڑھنے کی تمنا:

ہمیں اپنی نماز پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔اگر انسان نماز پر محنت کرے تو نماز کی کیفیت یقیناً بہتر بن جاتی ہے۔اسی مقصد کے لئے لوگ اللہ والوں سے بیعت ہوتے ہیں، ان کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کی صحبت میں رہتے ہیں۔ ہمارے اکابرین میں سے ایک بزرگ کے پاس ایک عالم آئے اور کہنے لگے، حضرت! میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے اولیائے کرام جیسی ایک نماز پڑھا دیجئے۔آج تو لوگ شیخ کے پاس تعویذ لینے کے لئے آتے ہیں، کاروبار کے لئے دعائیں کروانے آتے ہیں، کہتے ہیں جی بیوی بات نہیں مانتی، بچہ نہیں مانتا، فلاں بیمار ہے وغیرہ وغیرہ۔اس مقصد کے لئے کون آتا ہے کہ میری نماز بن جائے، میرے رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔کاش! کوئی اس کی بھی طلب لے کر آتا۔

شیخ کی قدر:

ایک آدمی نے کسی بزرگ کو بتایا کہ میرے شیخ بڑے کامل بزرگ ہیں۔انہوں نے پوچھا، وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے ان کو آزمالیا ہے، وہ واقعی اللہ والے ہیں۔انہوں نے پوچھا کہ تم نے کیسے آزمالیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ ایک دفعہ میری بیوی روٹھ کر میکے چلی گئی، میں نے اپنے سسرال والوں کی بڑی منت سماجت کی، لیکن وہ اپنی بیٹی کو میرے ساتھ بھیجنے سے انکار ہی کرتے رہے۔بالآخر میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا معاملہ عرض کر دیا۔انہوں نے مجھے ایک ایسا عمل بتایا کہ میں نے جیسے ہی وہ عمل کیا اور بیوی کو لینے گیا تو انہوں نے بغیر کسی حیل و حجت

کے اسے میرے ساتھ روانہ کر دیا۔ یہ بات سن کر وہ بزرگ افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تو نے اپنے شیخ کی قدر ہی نہیں کی۔ وہ کہنے لگا، حضرت! میرے دل میں اپنے شیخ کی قدر ہے، اسی لئے تو میں کہہ رہا ہوں کہ وہ بڑے کامل بزرگ ہیں۔ حضرت نے فرمایا، تمہیں تو اپنے شیخ سے اللہ کے قرب کا سوال کرنا چاہیے تھا لیکن افسوس کہ تم نے تو بیوی کا قرب مانگا۔

اطمینان قلب کا واحد نسخہ:

جو انسان پابندی کے ساتھ ذکر کرتا ہے اللہ رب العزت اس کو پریشانیوں سے بچا لیتے ہیں۔ اسی لئے قرآن عظیم الشان میں فرمایا گیا اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد: ۲۸) جان لو کہ اللہ رب العزت کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے۔ کسی شاعر نے کہا،

کتنی تسکین ہے وابستہ تیرے نام کے ساتھ
نیند کانٹوں پہ بھی آ جاتی ہے آرام کے ساتھ

ایک اور شاعر کہتے ہیں

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

اللہ کے نام کی برکتیں:

اللہ کے نام میں بڑی عجیب لذت اور برکت ہے۔ کسی شاعر نے کہا،

ہم رٹیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

جب انسان اللہ رب العزت کا ذکر کرتا ہے تو پھر اللہ کے نام سے بھی انسان کو

محبت ہو جاتی ہے۔ اس نام کو لیتے ہوئے دل میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔

؎ اللہ اللہ ایں چہ شیریں ہست نام
شیر و شکر می شود جانم تمام

یہ اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے کہ اس کو لینے سے میرا جسم ایسے بن جاتا ہے جیسے دودھ کے اندر شکر کو ملا دیا جاتا ہے۔

؎ اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے
عاشقوں کا مینا اور جام ہے

یاد کا مقام:

انسان کے جسم میں یاد کا مقام اس کا دل ہے۔ کیا کبھی کسی ماں نے اپنے بیٹے کو خط لکھا ہے کہ بیٹا! میری ہتھیلی تجھے بہت یاد کرتی ہے، میری آنکھ تجھے یاد کرتی ہے، میری زبان تجھے یاد کرتی ہے؟ نہیں، بلکہ وہ یہی لکھتی ہے کہ میرا دل تجھے بہت یاد کرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ یاد کرنے کا مقام انسان کا دل ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت کی یاد بھی دل میں ہوتی ہے۔ جب دل میں اللہ رب العزت کی یاد رچ بس جاتی ہے تو پھر اگر انسان کام کاج میں بھی مشغول ہو تو اس کا دل پھر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتا ہے۔ اس کی زندگی "دست بکار دل بیار" کا مصداق بن جاتی ہے۔

ذکر میں دوام:

اللہ والوں کی زندگی ایسی ہوتی ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا،

؎ گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

پھر انسان کو وہ مقام مل جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھلانا بھی چاہے تو بھلا نہیں سکتا۔

دو آدمیوں کی قلبی کیفیت:

حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیت اللہ شریف حاضر ہوا۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ غلاف کعبہ پکڑ کر دعا مانگ رہا ہے۔ میں اس کے دل کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے دل میں یہ خیال تھا کہ جو میرے ساتھی آئے ہوئے تھے وہ مجھے دیکھ لیں کہ میں تو غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعا مانگ رہا ہوں۔

اس کے بعد مجھے منیٰ جانا پڑا۔ وہاں میں نے ایک دکاندار کو دیکھا کہ اس کے گرد گاہکوں کا ہجوم تھا۔ جب میں اس کے دل کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ اس کا دل ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں تھا۔

ایک اشکال کا جواب:

اگر کوئی صاحب یہ پوچھیں کہ اللہ والے اللہ تعالیٰ کی یاد سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے۔ اس کی وضاحت کریں تو اس کے جواب کے لئے ایک مثال عرض کر دیتا ہوں۔

فرض کریں کہ آپ کے بھائی کو گارڈ کی خالی آسامی کے لئے انٹرویو کے لئے بلایا جائے تو جیسے ہی پتہ چلے گا سب گھر والے بیٹھ کر مشورہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب آپ سے یہ پوچھیں تو یہ جواب دینا، جب یہ پوچھیں تو یہ کہنا۔ جب انٹرویو دینے کے لئے وہ جا رہا ہوگا تو آپ اسے سمجھائیں گے کہ ذرا خیال رکھنا، وقت پہ پہنچنا۔ اب وہ تو انٹرویو دینے چلا جائے گا۔ لیکن آپ اپنے دفتر بھی جا رہے ہوں

گے اور اپنے بھائی کے لئے دعائیں بھی کر رہے ہوں گے کہ میرا بھائی ٹھیک ٹھیک جواب دے۔ یوں آپ کا دل گارڈ کے دفتر میں اٹکا ہوا ہوگا۔ آپ دفتر میں پہنچ جائیں گے مگر دل میں یہی خیال چھایا رہے گا۔ بالآخر آپ سوچیں گے کہ اب تو ٹائم ہو گیا ہے، میرا بھائی گھر پہنچ گیا ہوگا، پھر آپ فون کریں گے۔ آپ اپنی امی سے سب سے پہلے یہی پوچھیں گے کہ بھائی کا کیا بنا ہے؟ اگر آپ کے آٹھ گھنٹے اپنے بھائی کی سوچ میں گزر سکتے ہیں تو اللہ والوں کے دل بھی ہر وقت اللہ کی یاد میں رہ سکتے ہیں۔ وہ دنیا کے کام کاج بھی کرتے ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی ہیں، چلتے پھرتے بھی ہیں مگر ان کے دل اللہ کی یاد سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہو پاتے۔

ذکر خفی کی فضیلت:

ذکر جہری اور ذکر خفی دونوں احادیث سے ثابت ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ فرشتے جس ذکر کو سنتے ہیں یعنی جو زبان سے کیا جاتا ہے اس سے وہ ذکر جس کو وہ نہیں سنتے یعنی جو دل سے کیا جاتا ہے ستر گنا فضیلت رکھتا ہے۔ اسے ذکر قلبی، ذکر سری، ذکر خالص اور ذکر خفی کہتے ہیں۔ اسی کو رجوع الی اللہ، انابت الی اللہ، اور توجہ الی اللہ بھی کہتے ہیں۔

توجہ الی اللہ پیدا کرنے کا ذریعہ:

توجہ الی اللہ پیدا کرنے کے لئے ابتدا میں سالک کو کہا جاتا ہے کہ تم اللہ اللہ کرو۔ جیسے قرآن مجید پڑھنے والے بچے کو شروع میں نورانی قاعدہ پڑھاتے ہیں۔ اب کوئی شخص کہے کہ نورانی قاعدہ کا تذکرہ تو حدیث شریف میں کہیں نہیں۔ اس کو کہیں گے، ارے بے وقوف انسان! یہ نورانی قاعدہ بچے کو سمجھانے کے لئے تعلیم کا

ایک ذریعہ ہے۔ اگر یہ نہیں پڑھائیں گے تو بچے کو اعراب کی پہچان کیسے ہوگی۔ اسے یہ پڑھانے کے بعد قرآن پاک پڑھانا آسان ہوگا۔ اسی طرح یہ جو اللہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں یہ ذکر بھی انسان کے قلب میں توجہ الی اللہ پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے گویا شروع میں مبتدی کو اللہ اللہ کا ذکر ورد کے طور پر کرایا جاتا ہے۔

اللہ اللہ کا ذکر کرنے کا شرعی ثبوت:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ اللہ کا ذکر کسی حدیث سے تو ثابت نہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں واضح لفظوں میں فرمایا گیا لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔ اب یہاں دو دفعہ اللہ کا لفظ آیا ہے۔ اگر حدیث شریف میں صرف ایک دفعہ آتا کہ حَتّٰى يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ تو پھر تو چلو کوئی بات نہیں تھی مگر حدیث میں اللہ اللہ آیا ہے۔ چونکہ نبی علیہ السلام نے دو دفعہ فرمایا اللہ اللہ، اس لئے اگر میں بھی بار بار دو دو دفعہ یہی کہہ دوں، اللہ اللہ، اللہ اللہ، اللہ اللہ تو اس میں کونسا اشکال ہے۔ اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں کہ اللہ اللہ کیوں کہتے ہیں۔

اللہ اللہ کرنے کا مزہ:

دیکھئے کہ بچہ جب روتا ہے تو وہ رو کر کیا کہتا ہے؟ وہ امی! امی! امی! ہی کہتا ہے ناں یا کوئی اور لفظ کہتا ہے؟ کیا آپ نے کبھی کسی چھوٹے بچے کو سنا ہے کہ وہ کہے، اے میری پیاری امی! اے میری خوبصورت امی! اے میری بڑی اچھی امی! وہ تو فقط امی امی ہی کہتا ہے۔ اللہ اللہ کہنے کی نوعیت یہی ہے جبکہ الحمد للہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر، صفات الٰہی کا تذکرہ ہے۔ بچہ جب امی امی پکارتا ہے تو بچے کی زبان سے امی والا محبت سے نکلا ہوا یہ لفظ ماں کے کانوں تک پہنچتا ہے تو اس کے دل کے تار چھڑ جاتے ہیں۔ وہ جتنے بھی ضروری کام میں مصروف ہو، جتنی دور ہو، وہ نام سنتے ہی بچے کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس کو سینے سے لگا لیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب

بندہ اللہ اللہ کہتا ہے تو وہ اللہ کی آغوش محبت میں پہنچ جاتا ہے۔ دراصل ہمیں اللہ کہنے کا مزہ ہی نہیں آیا۔ جن کو مزہ آتا ہے ان کے منہ میں مٹھاس آجاتی ہے۔ غور کریں کہ مٹھائی اور کھٹائی دو الفاظ ہیں۔ اگر ان لفظوں کو زبان پر لایا جائے تو منہ میں پانی آجاتا ہے تو کیا اللہ کے لفظ سے دل میں مزہ نہیں آتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اچار کا نام لیں تو منہ میں پانی آجاتا ہے، اللہ کا نام کیا، تنا اثر بھی نہیں رکھتا کہ اس سے دل میں ٹھنڈک پڑ جائے۔

بوعلی سینا کو دوٹوک جواب:

خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی صحبت میں بوعلی سینا آئے وہ بڑے مفکر آدمی تھے۔ حضرت نے اللہ اللہ کے ذکر کے فضائل گنوائے کہ اس سے انسان کے دل کو سکون ملتا ہے، پریشانیاں دور ہوتی ہیں، آفات سے انسان محفوظ ہوتا ہے، ایمان مضبوط ہوتا ہے، صحت ملتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، عمر میں برکت ہوتی ہے، علم میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں آتی ہیں۔ انہوں نے اس عنوان پر اتنے فضائل گنوائے کہ بوعلی سینا بڑے حیران ہوئے۔ بوعلی سینا نے بعد میں پوچھا، حضرت فقط ایک لفظ کا ذکر کرنے سے اتنی ساری فضیلتیں ملتی ہیں؟

یہ حضرات بھی نباض ہوتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اسی بھری محفل میں فرمایا، اے خر! تو چہ دانی، یعنی اے گدھے! تجھے کیا پتہ۔ جب بھری محفل میں گدھے کا لفظ سنا تو حکیم صاحب کو تو پسینہ آ گیا کہ اتنا مشہور و معروف بندہ ہوں اور مجھے لوگوں کے سامنے گدھا کہہ کر رسوا کر دیا گیا ہے۔ جب اسے پسینہ آیا اور اس کی حالت بدلی تو حضرت نے پوچھا، حکیم صاحب! آپ کی تو حالت ہی بدل گئی ہے، کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا، جی آپ نے لفظ ہی ایسا بولا

ہے۔حضرت نے فرمایا، میں نے گدھے کا لفظ بولا ہے اور اس گدھے کے لفظ نے تیری حالت کو بدل کرر کھ دیا ہے۔ کیا اللہ کا نام تیری حالت کو نہیں بدل سکتا۔حقیقت یہ ہے کہ ہم اللہ کے ذکر کی لذت سے نا آشنا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے یہ سوال دل میں پیدا ہوتے ہیں۔

؎ خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

جب طبیعت میں کچھ تعلق ہوتا ہے تو نام سن کر کان کھڑے ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔آج تو بچے بچی کی منگنی ہو تو چھیڑنے کے لئے ایک دوسرے کا نام لے لیتے ہیں۔کیا نام لینے سے اثر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔مرد ہو یا عورت، نام لے تو بھی طبیعتوں پر اثر ہوتا ہے۔ارے ایہ معمولی سا تعلق ہے اور اس کا اتنا اثر ہوتا ہے، اللہ رب العزت سے تو انسان کا بہت گہرا تعلق ہوتا ہے اس کا نام لینے سے بھی بندے کے دل پر اثر ہوتا ہے اور جب وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو پھر پروردگار کی طرف سے بندے کے اوپر شفقت اور رحمت آتی ہے۔

فکر کے اسباق:

جب انسان کو توجہ الی اللہ نصیب ہو جاتی ہے تو وہ فکر بن جاتی ہے جو کہ ذکر سے افضل ہوتی ہے۔سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے وہ لوگ جنہوں نے اسباق کیے ہوئے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ساتویں سبق تک تو ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد تہلیل کے دو سبق ہیں۔یہاں پر اللہ اللہ کا ذکر ختم ہو جاتا ہے اور فکر کے اسباق شروع ہو جاتے ہیں۔چونکہ انسان کا دل مخلوق میں اٹکا ہوا ہوتا ہے اس لئے مخلوق سے اس کا دل چھڑانے کے لئے مشائخ مبتدی کو اللہ اللہ کے ذکر پر لگاتے ہیں حتیٰ کہ اس بندے کی زبان پر اور دل میں فقط اللہ کی یاد ہوتی ہے۔

وہ ہر طرف سے کٹ کر اللہ کے ساتھ جڑ جاتا ہے پھر اس کو بھی دھونے کے لئے لا الہ الا اللہ کا ذکر کرواتے ہیں اور جب بالکل وصل جاتے ہیں پھر مراقبہ کرواتے ہیں۔ جس میں اسے کسی نام کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی لہذا دسویں سبق سے لیکر (۳۵) پینتیسویں سبق تک جتنے مراقبے ہیں ان میں نام کا ذکر نہیں کیا جاتا۔

لا الہ الا اللہ کا ذکر:

ہمارے سلسلہ عالیہ میں ایک بزرگ تھے ان کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا، لا الہ الا اللہ کا ذکر کسی حدیث میں نہیں ملتا۔ حضرت نے اسے فرمایا، قریب آؤ۔ جب وہ قریب آیا تو حضرت نے فرمایا، کیا یہ بات حدیث پاک میں ہے کہ جب کوئی آدمی مرنے لگے تو تلقین کرنے کی غرض سے اس کے پاس لا الہ الا اللہ اونچی آواز سے پڑھا جائے تاکہ وہ بھی سن کر پڑھ لے۔ اس نے کہا، جی ہاں یہ تو حدیث پاک میں آیا ہے اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے نفس کو مرنے کے قریب پاتا ہوں اس لئے ہر لمحہ اسے تلقین کرنے کی نیت سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں۔

تجلی ذاتی برقی اور تجلی ذاتی دائمی:

یہ بات بھی ذہن میں رکھنا کہ جو انسان صفاتی ناموں کا ذکر زیادہ کرتا ہے مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ، یا حی یا قیوم کا ذکر کرتا ہے تو جب اس کو فنا کے مقام پر اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل ہوتا ہے۔ تو چونکہ اس کے من میں صفاتی ناموں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اس لئے اسے تھوڑی دیر کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار نصیب ہوتا ہے اور پھر اس کے اوپر صفات کے پردے آجاتے ہیں۔ ایسا سالک اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات کے پردوں میں سے دیکھتا ہے...... اور جو سالک فقط اللہ اللہ کا ذکر کرنے والا ہوتا ہے

اس کو وصل عریانی نصیب ہو جاتا ہے۔ یعنی جب اس کو دیدار نصیب ہوتا ہے تو صفات کے پردے نہیں آتے...... اس لئے ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بڑے بزرگ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک Term (اصطلاح) استعمال کی ہے کہ جو لوگ صفات کا ذکر کرتے ہیں جب ان کو اللہ کی تجلی نصیب ہوتی ہے تو انہیں ''تجلی ذاتی برقی'' نصیب ہوتی ہے۔ یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی برق (بجلی) کی مانند ہوتی ہے اور اس کے بعد صفات کے پردے آجاتے ہیں۔ گویا دلہن نے کپڑا ہٹا کر جلوہ دکھایا اور پھر نقاب ڈال لیا...... لیکن جو ذاتی نام (اللہ اللہ) کا ذکر کرنے والے ہوتے ہیں ان کو ''وصل عریانی'' نصیب ہوتا ہے۔ یعنی ایک دفعہ چہرے سے جمال کے لئے نقاب ہٹا دیتے ہیں تو ہمیشہ چہرے کا دیدار سالک کو نصیب ہوتا رہتا ہے۔ اس کو ''تجلی ذاتی دائمی'' کہتے ہیں۔

اب عام آدمی تو یہی کہتا ہے کہ یہ نقشبندیہ حضرات سبحان اللہ، الحمد للہ اور یا حی یا قیوم کیوں نہیں کہتے؟ بھئی! آپ کو یہ معرفت کیسے سمجھائیں یہ تو وہ لوگ جانتے ہیں جو اپنے دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں اور ان کو پتہ چلتا ہے کہ اسماء وصفات کے جو پردے اوپر آجاتے ہیں اس وقت وہ انسان کے لئے کتنی الجھن کا باعث بنتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے مشائخ نے فقط اللہ کے ذکر کے بارے میں کہا، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔

نمبر دو مجنوں:

آج ہمارے دل پریشانیوں سے بھرے پڑے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم ذکر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ جس سے پوچھیں کہ کیا معمولات کرتے ہیں؟ جواب ملتا ہے کہ حضرت! وقت نہیں ملتا۔ یہ عجیب بات ہے کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں کھانا اس لئے نہیں کھاتا کہ وقت نہیں ملتا۔ کھانا باقاعدگی سے کھائیں گے، اگر کوئی کام نہ

کر سکیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ مجنوں سے اگر کوئی پوچھے کہ کیا تم لیلیٰ کو یاد کرتے ہو اور وہ جواب دے کہ مجھے وقت نہیں ملتا تو آپ کیا کہیں گے کہ یہ کیسا مجنوں ہے، وہ تو پھر دو نمبر مجنوں ہوا۔ آج ہم بھی نمبر دو مجنوں ہیں۔

ذکر قلبی کا ثبوت:

ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ رب العزت کی یاد ہر وقت دل میں بسی رہے۔ بلکہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر وقت ذکر میں مشغول رہیں۔ امر کا صیغہ ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ ذکر کر تو اپنے رب کا اپنے نفس میں۔ اَیْ فِیْ قَلْبِكَ یعنی اپنے دل میں، اپنی سوچ میں، اپنے دھیان میں، اپنے من میں اللہ کو یاد کر۔ اے اللہ! کیسے یاد کریں؟ فرمایا، تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً گڑگڑاتے ہوئے اور بہت ہی خاموشی کے ساتھ ۔ معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً کے الفاظ سے ذکر قلبی کا ثبوت ملتا ہے۔ گویا ہمیں ذکر قلبی کا حکم ملا ہے۔

اللہ اللہ کرنے کا حکم:

ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ ہمارے رب کا کیا نام ہے تو ہم جواب دیں گے؟ اللہ۔ اللہ تعالیٰ قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرماتے ہیں وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور ذکر کر تو اپنے رب کے نام کا۔ رب کا نام چونکہ اللہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ تم اللہ کا ذکر کرو۔ معلوم ہوا کہ اللہ اللہ کا ذکر کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

عبد منیب اور قلب منیب:

ہمیں ہر وقت اپنے دل میں اللہ کا دھیان رکھنا چاہئے۔ اس کو ’’انابت الی اللہ

" کہتے ہیں۔ایسے قلب کو" قلب منیب" اور ایسے بندے کو" عبد منیب" کہتے ہیں۔
چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَ اتَّقُوا ایک اور جگہ فرمایا

أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَ زَيَّنَّاهَا وَ مَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ٥ وَ الْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَ أَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَ أَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ٥ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ٥ (ق:۶۔۸)

دیکھا جب دل میں اللہ کی یاد ہوتی ہے تو پھر بندہ عبد منیب بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا ہی دل چاہتے ہیں۔اسی لئے فرمایا

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَ تَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ٥ وَ أُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ٥ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ٥ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ٥ (ق:۳۰۔۳۳)

پروردگار کو ایسا قلب منیب مطلوب ہے۔یعنی اللہ رب العزت کو ایسا دل مطلوب ہے جس میں اللہ رب العزت ہی آیا ہوا ہو، اللہ رب العزت ہی سمایا ہوا ہو بلکہ یوں کہوں کہ جس میں اللہ رب العزت ہی چھایا ہوا ہو۔

ہر حال میں اللہ کا ذکر:

ایسے لوگ جو لیٹے بیٹھے اور چلتے پھرتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کریں انہیں عقلمند کہا گیا ہے۔جوانمرد کہا گیا، چنانچہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (النور:۳۷) کہ میرے جوانمرد بندے وہ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ وَ إِقَامِ الصَّلَوٰةِ وَ إِيتَاءِ الزَّكَوٰةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَ الْأَبْصَارُ۔اور ایک جگہ فرمایا الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَّ قُعُودًا وَّ عَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وہ لوگ جو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اللہ رب العزت کو یاد کرتے ہیں۔اب دیکھئے کہ بنیادی

طور پر انسان کی تین حالتیں ہی ہوتی ہیں یا کھڑا ہوگا، یا بیٹھا ہوگا، یا پھر وہ لیٹا ہوگا۔
یہاں فرمایا کہ جو تینوں حالتوں میں اللہ کو یاد کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یوں کہنا چاہیے ہیں کہ جو لوگ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اولوا الالباب یعنی عقلمند اور دانشمند بندے کہتے ہیں۔ اور واقعی جب دل میں لگی ہوئی ہو تو پھر انسان اٹھتے بیٹھتے آہیں بھرتا ہے اور یہ آہیں محبت کی وجہ سے نکلتی ہیں۔ اٹھتے ہوئے بھی اللہ، بیٹھے ہوئے بھی اللہ، لیٹے ہوئے بھی اللہ۔ بس اللہ اس کے دل میں بس رہا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی زبان پر بھی اسی کا ذکر ہوتا ہے۔

ذکر سے غفلت کی سزا:

عوام الناس کا تو کیا کہنا آج کل خواص کو بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ ذکر کو فقط ایک نفلی کام سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی معمولات کر رہا ہو تو علماء اور طلباء اس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو بس تسبیح پھیر رہا ہے۔ یعنی ان کے دلوں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ حالانکہ قرآن پاک میں اس کی اتنی اہمیت بتائی گئی ہے کہ شیطان سے بچاؤ نصیب ہوتا ہے اور جو مختلف آیات آپ کے سامنے پیش کیں ان میں مذکور تمام نعمتیں انسان کو ذکر کرنے کے صدقے ملتی ہیں۔ اور جو ذکر نہیں کرے گا اسے اللہ رب العزت کی طرف سے سزا بھی ملے گی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا، وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا (الجن: ۱۷) اور جو اللہ رب العزت کی یاد سے اعراض کرے گا اس کو چڑھتا ہوا عذاب ملے گا۔ یہ نہیں کہ من مرضی کی بات ہے بلکہ اگر غفلت برتیں گے تو سزا ملے گی۔ پروردگار عالم ناراض ہوں گے کہ میری یاد سے غفلت میں کیوں زندگی گزاری۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی

اے دوست! تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس شاہ سے غافل نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تیری طرف نگاہ کرے اور تو اس کی طرف متوجہ نہ ہو۔ محنت کرنے سے انسان کو یہ چیز نصیب ہو جاتی ہے۔ جس طرح دنیا کا ہر کام محنت کرنے سے آسان ہو جاتا ہے اسی طرح ذکر بھی محنت کرنے سے آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ذکر کی ہدایت:

اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور فرعون کی طرف بھیجا۔ لیکن بھیجتے وقت ہدایت فرمائی کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ وَ لَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ۔ آپ اور آپ کا بھائی جائیں میری نشانیوں (معجزوں) کو لے کر لیکن تم دونوں میری یاد سے غافل نہ ہونا۔ اب بتائیے کہ جب اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو فرما رہے ہیں کہ میرے ذکر سے غافل نہ ہونا تو پھر اگر طلبا ذکر سے غافل پھریں گے تو وہ ورثۃ الانبیا میں کیسے شامل ہوں گے۔ دعوت و تبلیغ کا کام کرو گے اور ذکر سے غافل ہو کر کرو گے تو پھر یہ کیسے کار نبوت بنے گا۔ اس کی بڑی اہمیت ہے۔

حضرت مفتی زین العابدینؒ کا فرمان:

اس عاجز نے حضرت مفتی زین العابدین دامت برکاتہم سے یہ بات رائیونڈ کے سالانہ اجتماع میں خود سنی اور یہ عاجز کم و بیش انہی الفاظ میں نقل کر رہا ہے۔ اور اس جگہ پر بیٹھ کر کوئی آدمی جھوٹ بولنے کا بوجھ اپنے سر پہ نہیں لے سکتا۔ فرمایا ”جب تک تم سیکھ کر ذکر نہیں کرو گے، اس وقت تک تمہیں تبلیغ میں جوتیاں چٹخانے کے سوا کچھ نہیں ملے گا“۔ معلوم ہوا کہ ذکر کے ساتھ اس کام کی برکت بڑھ جاتی ہے اور اللہ رب العزت کی نصرت شامل حال ہو جاتی ہے۔

میدان جنگ میں ذکر اللہ کی تلقین:

کسی کو وعظ و نصیحت کرنا دعوت الی اللہ کا پہلا قدم ہے اور اس کا انتہائی قدم یہ ہوتا ہے کہ جب سامنے والا دعوت کو قبول نہیں کرتا اسلم تسلم پر عمل نہیں کرتا تو پھر انسان کہتا ہے کہ تلوار ہمارا اور تمہارا فیصلہ کرے گی۔ یہ آخری نقطہ ہوتا ہے جس پر انسان اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ دیکھئے کہ وہ مجاہدین جو جان کی بازی لگا رہے ہیں ان کو عین حالت جہاد میں اللہ رب العزت ذکر کا حکم فرما رہے ہیں۔ قرآن عظیم الشان میں فرمایا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو! اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا جب تمہارا کافروں کی کسی جماعت کے ساتھ آمنا سامنا ہو تو تم ڈٹ جاؤ۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا تم اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ایسا کرنے سے کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ اب بتایئے کہ جب گردنیں کٹ رہی ہیں، خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں اور جان کی پڑی ہوئی ہے اس وقت بھی فرمایا کہ کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔ اگر بالفرض والتقدیر یوں فرماتے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ تو معانی کے اعتبار سے فقرہ مکمل ہو جاتا مگر نہیں درمیان میں ذکر کی بات رکھی۔ معلوم ہوا کہ ہمیں ذکر کے بغیر کسی میدان میں بھی کامیابی نہیں مل سکے گی۔

فاذکرونی اذکرکم کا ایک مفہوم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ تم مجھے فرش پہ یاد کرو میں تمہیں عرش پہ یاد کروں گا۔ اس لئے حدیث پاک میں آتا ہے فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ اگر میرا بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس بندے کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اب ذرا سوچیں کہ

آدمی اپنے محبوب کا تصور کر کے کتنا خوش ہوتا ہے کہ جب میں اسے یاد کروں تو میرا محبوب بھی مجھے یاد کر رہا ہے۔ اگر دنیا میں کسی سے تعلق ہو تو پوچھتے ہیں کہ ہمیں بھی کبھی یاد کیا یا نہیں۔ ارے! دنیا کے لوگوں سے تو پوچھنا پڑتا ہے کہ ہمیں کبھی یاد کیا ہے یا نہیں۔ لیکن میرا مولا ایسا کریم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو بتلا دیا کہ اگر تم مجھے اپنے دل میں یاد کرو گے تو میں بھی تمہیں اپنے دل میں یاد کروں گا وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٌ مِّنْهُ اگر وہ مجلس میں بیٹھ کر مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر فرشتوں کی مجلس میں بیٹھ کر اسے یاد کرتا ہوں۔ وَ اِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میری رحمت اس کی طرف دوڑ کر جاتی ہے۔ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ کے لفظوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جیسے کہتے ہیں ناں کہ دو لفظوں میں بات سمجھا دی، ایسے ہی سمجھئے کہ اللہ رب العزت نے ان دو لفظوں میں بات سمجھا دی۔

ایک الہامی بات:

ہماری یہ حالت ہے کہ ہمیں اگر کوئی تھوڑی سی بھی تنگی اور پریشانی آئے تو اسی وقت ہم پروردگار کے شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ رب العزت نے الہام فرمایا کہ میرے ان بندوں سے کہہ دو کہ اگر ان کو رزق میں ذرا تنگی آتی ہے تو یہ فوراً اپنے دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر میرے شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں اور تمہارے نامہ اعمال روزانہ گناہوں سے بھرے ہوئے آتے ہیں لیکن میں فرشتوں میں بیٹھ کر تمہارے شکوے تو نہیں کیا کرتا۔

فاذکرونی اذکرکم کا دوسرا مفہوم:

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ کا ایک اور مفہوم بھی بنتا ہے کہ اگر تم میری اطاعت کرو

گے تو میں مخلوق کو تمہاری اطاعت کا حکم دوں گا۔ واقعی ایسا ہی ہوتا ہے تابعین میں سے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جب بھی اللہ رب العزت کے حکموں کی نافرمانی کی، میں نے اس کا فوری اثر اپنی بیوی میں، اپنے بچوں میں، اپنے ماتحتوں میں یا اپنی سواری کے جانور میں دیکھا۔ یعنی میں نے اللہ رب العزت کی نافرمانی کی اور میرے ماتحت لوگوں نے میری نافرمانی کی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میرے مطیع بن جاؤ، میں اپنی مخلوق کو تمہارا مطیع بنا دوں گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہی باتیں بندہ کتاب میں پڑھتا ہے تو اس پر اثر نہیں ہوتا، لیکن وہی بات اگر کسی اللہ والے کی زبان سے سن لیتا ہے تو اسے عمل کی توفیق مل جاتی ہے۔ چونکہ ان میں عمل ہوتا ہے اس لئے یہ اس کی برکت ہوتی ہے کہ ان کی بات سنتے ہی انسان کو عمل کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

جنت کے ساتھی سے ملاقات:

شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! آپ نے جس کو جنت میں میرا ساتھی بنانا ہے، دنیا میں ہی میری اس سے ملاقات کروا دیجئے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں بتایا گیا کہ حبشہ کی رہنے والی ایک عورت میمونہ ہے جو جنت میں تمہاری ساتھی بنے گی۔ چنانچہ میں اس بستی کی طرف چل پڑا۔ جا کر بستی والوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ تو بکریاں چراتی ہے اور اس وقت وہ باہر کہیں بکریاں چرا رہی ہوگی۔ فرماتے ہیں کہ میں اس طرف چل پڑا۔ جب میں نے بستی سے باہر نکل کر دیکھا تو حیران ہوا کہ بکریاں ایک ہی جگہ پر چر رہی ہیں اور ادھر ادھر بھاگتی نہیں ہیں۔ اور ایک عورت درخت کے نیچے کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ جب میں نے غور کیا تو میں نے یہ دیکھا کہ جہاں بکریاں چر رہی تھیں اس چراگاہ کے کنارے پر مجھے کچھ بھیڑیئے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان

بھیڑیوں کی وجہ سے وہ بکریاں کہیں باہر بھی نہیں بھاگ رہی تھیں اور ایک ہی جگہ پر چر رہی تھیں۔ جب اس عورت نے سلام پھیرا اور مجھے دیکھا تو کہنے لگی، عبدالواحد! اللہ رب العزت نے ملاقات کی وعدہ گاہ تو جنت بنائی ہے، اس لئے تم دنیا میں کیسے آ گئے؟ میں نے کہا کہ میں نے دعا مانگی تھی جو اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو گئی۔ البتہ اب میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں نے ایسا منظر تو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہی تھیں، بکریاں چر رہی تھیں اور بھیڑیئے بیٹھے ہوئے تھے اور وہ بکریوں کو کچھ کہہ بھی نہیں رہے تھے۔ مجھے اس راز کی سمجھ نہیں آ رہی۔ وہ کہنے لگی، عبدالواحد! یہ بات سمجھنی آسان ہے کہ جس دن سے میں نے اپنے پروردگار سے صلح کر لی ہے اس دن سے بھیڑیوں نے میری بکریوں سے صلح کر لی ہے۔...... تو معلوم ہوا کہ فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ کا ایک مطلب یہ بنا کہ اے بندو! تم مجھ سے صلح کر لو میں مخلوق کی تمہارے ساتھ صلح کروا دوں گا۔

فاذکرونی اذکرکم کا تیسرا مفہوم:

فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ تم میری عزت کرو میں تمہیں عزتیں عطا کروں گا۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستے میں چلتے ہوئے انہوں نے کاغذ کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا جس پر اللہ رب العزت کا نام لکھا ہوا تھا۔ جب دیکھا تو فوراً متوجہ ہوئے۔ لہٰذا اسے اٹھا کر صاف کیا اور اس کو اوپر کسی جگہ پر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں الہام فرمایا، اے بشر حافی! تم نے میرے نام کو پاؤں سے اپنے سر تک بلند کیا اب میں تمہارے نام کو فرش سے عرش تک بلند کر دوں گا۔

نسبت کا احترام:

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت سے جس چیز کی نسبت ہو اس چیز کا بھی احترام

کرنا چاہیے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ادب واحترام دل میں ہو کہ آپ ﷺ اللہ کے محبوب ہیں۔ اسی طرح کلام اللہ۔ قرآن مجید کا ادب کرنا بھی ضروری ہے لیکن افسوس کہ بعض جگہوں پر تو یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ مسجد کے اندر قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں اور آیت سجدہ پڑھ کر قرآن مجید کو پاؤں کے قریب رکھ لیتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں آج کل کی نئی روشنی کے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں استاد کی ضرورت ہی نہیں، بے استادے، ان کی یہ حالت ہے۔

بے ادبی کی انتہاء:

بیت اللہ شریف کی نسبت بھی چونکہ اللہ رب العزت سے ہے اس لئے اس کا ادب کرنا بھی ضروری ہے۔ بات کرتے ہوئے اس عاجز کو ڈر بھی لگ رہا ہے مگر چونکہ بات سمجھانا مقصود ہے اس لئے کر رہا ہوں۔ زیارت حرمین شریفین کے موقع پر حرم شریف میں سے گزرتے ہوئے ایک آدمی کو ہمارے دوست نے دیکھا کہ وہ سر کے نیچے قرآن مجید کو رکھ کر سو رہا تھا۔ (استغفر اللہ)، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے لوگوں کو علماء نے ادب سکھایا ہوا ہے لہٰذا یہاں کے لوگ ایسی صورتحال دیکھ کر تڑپ جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی دیکھ کر تڑپا اور اس نے سوئے ہوئے شخص کو جا کر جگایا اور کہا، تم نے اللہ کے کلام کو سر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا، میں نے قرآن مجید کو سر کے نیچے رکھا ہے پاؤں کے نیچے تو نہیں رکھا۔ (استغفر اللہ) ایسے بے ادبوں اور غیر مقلدوں سے اللہ کی پناہ۔

لمحہ فکریہ:

یہ مسجد بھی اللہ کا گھر ہے، اس کا بھی ادب ہونا چاہیے۔ آج کل کے نوجوان مسجدوں میں ننگے سر شوق سے آتے ہیں اور جب کہتے ہیں کہ آپ سر پر ٹوپی، عمامہ یا

کوئی اور چیز لے کر آیا کریں تو کہتے ہیں کہ یہ کونسا ضروری ہے۔ یہ زہر بھرا لفظ عام ہوتا جا رہا ہے۔ کبھی سوچا کریں کہ میرا جنت میں جانا کونسا ضروری ہے۔ آج تو ہم یہ طریقہ اپناتے ہیں اور اگر ہمیں ہی یہ جواب دے دیا جائے کہ اے بندے! جب تو نے شعائر اللہ کا ادب ضروری نہ سمجھا تو پھر تیرا جنت میں جانا کونسا ضروری ہے؟ تو پھر کیا بنے گا؟ اور کئی تو ایسے ہوتے ہیں کہ سردی کی وجہ سے ٹوپی پہن کر مسجد میں آتے ہیں اور پھر ٹوپی اتار کر نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

مسجد میں داخل ہونے کے لئے قرآنی اصول:

آیئے، قرآن کی طرف رجوع کیجئے۔ قرآن مجید نے ہمیں ایک اصول بتایا ہے، فرمایا، نیک لوگ جب مسجدوں میں داخل ہوتے ہیں تو أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ۔ کہ ان کو نہیں زیب دیتا کہ مسجدوں میں داخل ہوں مگر خوفزدہ ہو کر۔ ایسے محسوس کریں کہ جیسے کسی شہنشاہ کے دربار میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو قرآن مجید تو ہمیں بتا رہا ہے کہ ہم مسجد میں اس انداز سے داخل ہوں کہ ہمارے دل اللہ کی عظمت شان کی وجہ سے مرعوب ہو رہے ہوں۔ لیکن ہم ننگے سر آ رہے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ شعائر اللہ کا ادب کرنا حقیقت میں دل کے تقویٰ کی دلیل ہے۔ ادب کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ با ادب با نصیب ہے بے ادب بے نصیب ہے۔ آج کے زمانے میں علم پڑھنے سے زیادہ ادب سیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ زندگیوں سے ادب نکلتا جا رہا ہے۔

فاذکرونی اذکرکم کا چوتھا مفہوم:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کا ایک معنی یہ بھی بنا کہ تم معصیت سے بچنے کے لئے مجھے یاد کرو گے تو میں مصیبت کے موقعوں سے نکالنے کے لئے تمہیں یاد کروں گا۔ دیکھیں کہ سیدنا یوسف علیہ السلام پر امتحان آیا وہ جس گھر میں رہتے تھے اس گھر کی عورت نے گناہ کی دعوت دی۔ یہاں پر قرآن پاک کا حسن دیکھئے کہ یہ نہیں کہا گیا کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان کو گناہ کی طرف بلایا۔ اگر نام لے کر کہتے تو یہ غیبت ہوتی اور شریعت نے غیبت کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے جب پروردگار نے کلام فرمایا تو کسی کا نام نہیں لیا بلکہ فرمایا وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا (یوسف: ۲۳) زیادہ الفاظ تو استعمال کر لئے مگر نام نہیں لیا۔ یہاں سے ہمیں بھی ایک بات ملی کہ جب پروردگار عالم گناہوں پر یوں رحمت کی چادر ڈال دیتا ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اپنے دوستوں کی غلطیوں پر چادر ڈال دیا کریں۔ اس عورت نے جب گناہ کی دعوت دی تو سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا معاذ اللہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ کو یاد کیا تو وہ عورت اپنے خاوند کو کہنے لگی کہ یہ مجھے گناہ کی طرف بلا رہا تھا۔ اب اس کا حل یہ ہے کہ اس کو جیل کے اندر بھیج دیجئے۔ اب یہاں پر تفسیر کا ایک اور نکتہ سمجھ آیا کہ جن کی محبتیں نفسانی ہوتی ہیں جب ان پر کچھ بنتی ہے تو وہ اپنے محبوب کو اس وقت مصیبت کے نیچے دبا دیا کرتے ہیں۔ یہ جھوٹی محبت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس سے پہلے محبت کے بلند بانگ دعوے ہوتے ہیں اور جب اپنے پر کچھ بننے لگتی ہے تو پھر سب مصیبت اس کے سر پر ڈال دیتے ہیں۔ یہی کام اس عورت نے کیا کہ جب خاوند کو پتہ چل گیا تو کہنے لگی، اس نے مجھے بلایا تھا اس لئے اس کو جیل بھیج دو۔ بالآخر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھجوا دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام تخت شاہی پر:

ایک عرصہ تک حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں رہے۔ بالآخر اللہ رب العزت نے ان کو جیل سے رہائی عطا فرمائی تو پھر ان کو پہلے کی طرح غلام نہیں رہنے دیا، بلکہ ملک کا والی بنا دیا۔ جب آپ عزیز مصر کے سامنے آئے اور خوابوں کی تعبیر بتائی تو اس نے کہا اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ (یوسف:۵۴)۔ آپ نے فرمایا، اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ (یوسف:۵۵) مجھے خزانوں کی ذمہ داری سونپ دیجئے۔ چنانچہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ آپ نے گناہ سے بچنے کے لئے اپنے رب کو یاد کیا، اللہ رب العزت نے اس کے بدلے آپ کو مصیبت سے نکالا، تختہ سے نکالا اور دنیا کا تخت عطا فرما دیا، اس سے پہلے مصر کے بازاروں میں بک رہے تھے۔ جس شہر کے بازاروں میں بک رہے تھے، جب معصیت سے بچنے کے لئے اللہ رب العزت سے ڈر گئے تو اللہ رب العزت نے انہیں اسی شہر کا حاکم بنا دیا۔ اللہ اکبر

حسن بمقابلہ علم:

یہاں ایک اور بات بھی دل میں آئی، عرض کرتا چلوں۔ وہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مادری حسن تھا۔ یعنی بچپن سے حسین پیدا ہوئے تھے۔ لیکن بھائیوں نے بیچا تو کتنے میں بکے؟ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ (یوسف:۲۰) چند کھوٹے سکے...... کتنی عبرت کی بات ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس فقط حسن ہو تو اللہ کی نظر میں اس حسن کی قیمت چند کھوٹے سکوں کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ پھر اس حسن کے بعد ان کو علم ملا فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ (یوسف:۲۲) جب علم ملا اور اللہ تعالیٰ نے عمل کی توفیق

عطا فرمادی تو باہر نکلنے پر اللہ نے ان کو تخت و تاج عطا فرما دیئے۔

فاذکرونی اذکرکم کا پانچواں مفہوم:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کا ایک مطلب یہ بھی بنتا ہے کہ اے بندو! جب تم اپنی راحت کے لمحات میں مجھے یاد کرو گے تو میں پروردگار تمہاری زحمت کے لمحات میں تمہیں یاد کروں گا۔ یعنی اگر تم مجھے اپنی خوشی کے لمحات میں یاد کرو گے تو میں پروردگار تمہارے غم کے لمحات میں تمہیں یاد کروں گا۔

ایک سبق آموز واقعہ:

بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو لے کر جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور اس نے اس عورت پر حملہ کر دیا۔ جب بھیڑیئے نے حملہ کیا تو وہ کمزور دل عورت گھبرا گئی۔ جس کی وجہ سے اس کا بیٹا اس کے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ اس بھیڑیئے نے بچے کو اٹھایا اور بھاگ گیا۔ جب ماں نے دیکھا کہ بھیڑیا میرے بیٹے کو منہ میں ڈال کر لے جا رہا ہے تو ماں کی ماستا نے بھی جوش مارا اور اس کے دل سے ایک آہ نکلی۔ جیسے ہی اس کی آہ نکلی تو اس نے دیکھا کہ ایک جوانمرد سا آدمی درخت کے پیچھے سے اس بھیڑیئے کے سامنے آیا اور بھیڑیئے نے جب اچانک کسی کو اپنے سامنے دیکھا تو وہ بھی گھبرا گیا جس کی وجہ سے بچہ بھیڑیئے کے منہ سے نیچے گر گیا اور وہ بھاگ گیا۔ اس نوجوان نے بچے کو اٹھایا اور لا کر اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔

وہ ماں کہنے لگی، تو کون ہے؟ جس نے میرے بچے کی جان بچادی؟ اس نے کہا، میں اللہ رب العزت کا فرشتہ ہوں۔ مجھے پروردگار نے آپ کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔ ایک دفعہ آپ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہی تھی عین اسی وقت کسی

سائل نے آپ کے دروازے پر روٹی کا ٹکڑا مانگا، آپ کے گھر میں اس وقت وہی روٹی تھی جو آپ کھا رہی تھی۔ آپ نے اس وقت سوچا کہ میں اللہ کے نام پر سوال کرنے والے کو خالی کیسے بھیجوں۔ تم نے اپنے منہ کا لقمہ نکال کر سائل کو دے دیا تھا۔ آج پروردگار نے بھیڑیے کے منہ کا لقمہ نکال کر آپ کے حوالے کر دیا ہے۔

تین انمول موتی:

تین باتیں لوہے پر لکیر کی مانند ہیں، ان کو لکھ لیجئے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو انسان جس قدر اللہ رب العزت سے محبت کرے گا اللہ رب العزت کی مخلوق اسی قدر اس سے محبت کرے گی۔ یہ طے شدہ بات ہے۔ آپ دیکھتے ہیں ناں کہ ہمارے دلوں میں اللہ والوں کی محبت ہوتی ہے، ہمیں اللہ والے مل جائیں تو ہم ان کو دیکھنا اور ان سے ملنا اپنے لئے خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اللہ اپنی مخلوق کے دل میں ان کی محبت ڈال دیتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو انسان جس قدر اللہ رب العزت کی عبادت کرے گا اللہ کی مخلوق اسی قدر اس کی خدمت کرے گی۔ لوگوں کو ماؤں نے آزاد جنا ہے مگر وہ اللہ والوں کے جوتے اٹھانا اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک نواب صاحب نے اپنی ریاست میں آنے کی دعوت دی۔ جب آپ تشریف لے گئے تو بگھی پر جہاں گھوڑا جوتا جاتا ہے وہاں پر خود نواب صاحب جتے اور ان کو لے کر اپنے گھر تک پہنچے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو انسان جس قدر اللہ رب العزت سے ڈرے گا اللہ کی مخلوق اسی قدر اس سے مرعوب رہے گی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اللہ والوں کی محفل میں ایک رعب ہوتا ہے۔

نہ تاج و تخت میں نہ لشکر و سپہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رعب کی نعمت عطا فرمائی تھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے نصرت بالرعب کہ اللہ نے رعب کے ذریعے میری مدد فرمائی۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ آپ ﷺ جہاں چلتے تھے آپ ﷺ کا رعب مسیرۃ شھر یعنی ایک مہینہ کی مسافت آپ ﷺ سے آگے چلتا تھا۔

شیر جنگل کا بادشاہ ہے اس کا ایک رعب ہوتا ہے۔ وہ پنجرے میں بھی ہو تو باہر سے دیکھنے والا آدمی مرعوب ہوتا ہے۔ ایسے ہی جو لوگ اللہ کے شیر ہوتے ہیں ان کا بھی ایک رعب ہوتا ہے۔

پریشانیاں دور کرنے کا آسان نسخہ:

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ اگر ہم اللہ رب العزت کو یاد کریں گے اور اپنی زندگی اس کے حکموں کے مطابق بنالیں گے تو پروردگار عالم ہماری تمام مصیبتوں، پریشانیوں اور مشکلات میں ہمارے لئے کافی ہو جائیں گے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا الیس اللہ بکاف عبدہ کہ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ تو ہمارے پاس ایک آسان سا نسخہ یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں اللہ رب العزت کی یاد بسالیں اور اللہ رب العزت کی نافرمانی کرنا چھوڑ دیں۔ یاد رکھیں کہ جو انسان علم اور ارادے سے اللہ رب العزت کی نافرمانی کرنا چھوڑ دیتا ہے پروردگار اس کے نام کو صدیقین میں شمار فرما لیتے ہیں۔ آج کی اس محفل میں دلوں میں یہ مصمم ارادہ کریں کہ رب کریم! آج کے بعد ہم اپنے علم اور ارادے سے گناہ نہیں کریں گے، اے اللہ! اس میں کامیاب ہونے کے لئے آپ ہماری مدد فرما دیجئے کیونکہ ہمارے لئے گناہوں سے بچنا مشکل ہے لیکن اے اللہ! آپ کے لئے

ہمیں گناہوں سے بچانا آسان ہے۔ جب اس طرح پکا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے نیکوکاری اور پرہیزگاری کی زندگی آسان فرمادیں گے۔

عزم کا طواف:

آج ہر طرف پریشانی اور پریشانی کے شکوے ہیں لیکن اس ماحول میں بھی جو لوگ اللہ کی یاد والی زندگی گزارنے والے ہیں ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سکون عطا فرمادیتے ہیں۔ دیکھیں ایک ہوتا ہے پریشانی کا ماحول اور ایک ہوتا ہے دل کا پریشان ہونا۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ اللہ والوں کے اردگرد بھی ایسا ماحول ہوسکتا ہے کہ پریشانی والا ہو مگر ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی آدمی شیشے کے کمرے میں بیٹھا ہو اور باہر آندھی چل رہی ہو تو اردگرد تو جھکڑ چل رہا ہوتا ہے لیکن اس آدمی کو آندھی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری والی زندگی گزارتے ہیں ان کے اردگرد کا ماحول اگرچہ پریشانی والا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں سکون عطا فرمادیتے ہیں۔ کسی شاعر نے عجیب شعر کہا:

طوفان کر رہا تھا میرے عزم کا طواف
دنیا سمجھ رہی تھی کہ کشتی بھنور میں ہے

دنیا والے سمجھتے ہیں کہ ان کی کشتی بھنور میں ہے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ طوفان ان کا طواف کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ جس کا اللہ سے تعلق ہے پھر اس کا بے چینی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اردگرد کے لوگ اگرچہ پریشان پھر رہے ہوتے ہیں مگر اللہ رب العزت اس کو پرسکون زندگی عطا فرمادیتے ہیں۔

گردوپیش کی مثالیں:

ہم نے کئی بار ایسا دیکھا ہے یہ بات عقلی طور پر بھی ممکن ہے۔کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ آدھے صحن میں بارش ہوئی اور آدھے صحن میں نہیں ہوئی۔ایک درخت کو دیکھا،اس کی ایک شاخ خشک ہے اور دوسری شاخ پر پھل لگے ہوئے ہیں۔ایک ہی بھینس یا بکری ہے اس کے ایک تھن سے دودھ آ رہا ہے اور دوسرے تھن سے خون آ رہا ہے۔ایک ہی سمندر ہے لیکن ادھر کا پانی میٹھا ہے اور ادھر کا پانی کڑوا ہے۔اسی طرح ایسا ہی ہوگا کہ اگر چہ اردگرد پریشانی بھی ہوگی،لیکن اگر ہمارے دل میں اللہ رب العزت کی یاد ہوئی تو اللہ تعالیٰ ہمیں پریشانی سے نجات عطا فرما دیں گے۔

روزِ محشر کی مثال:

یہی حال قیامت کے دن بھی ہوگا۔ایمان والے جب اٹھیں گے تو اس وقت منافق ان کو کہیں گے اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُوْرِكُمْ ذرا ہماری طرف توجہ کیجئے تاکہ ہم تمہارے ایمان کی روشنی سے فائدہ اٹھالیں۔مگر کہا جائے گا کہ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۔ تم جاؤ واپس دنیا میں،یہ نور تو وہاں سے ملتا تھا۔ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۔اللہ تعالیٰ منافقوں اور مومنوں کے درمیان ایک دیوار بنا دیں گے۔اور فرمایا بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ اس دیوار کے اندر رحمت ہوگی اور اس کے باہر عذاب ہوگا۔تو بس یوں سمجھیں کہ اللہ والوں کے گرد رحمت کی ایک چادر ہوتی ہے،اس کے باہر لوگ پریشانی کا عذاب بھگت رہے ہوتے ہیں اور اس کے اندر باطن میں رحمت ہوتی ہے۔

فاذکرونی اذکرکم کا چھٹا مفہوم:

فَاذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ کا ایک مفہوم یہ بھی بنتا ہے کہ اے میرے بندو! تم مجھے معذرت سے یاد کرو گے تو میں پروردگار تمہیں مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔سیدنا

یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے نگل لیا تو مچھلی ان کو سمندر کی تہہ میں لے گئی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ انہوں نے وہاں لا الہ الا اللہ کی آوازیں سنیں۔ پوچھا، پروردگار عالم! یہ کیا ہے؟ اللہ رب العزت نے فرمایا، اے میرے پیارے یونس علیہ السلام! اس سمندر کی تہہ کی کنکریاں کلمہ پڑھ رہی ہیں اور میرے نام کی تسبیح کر رہی ہیں۔ بلکہ دنیا کی ہر چیز اللہ کے نام کی تسبیح کرتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَ لٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (الاسراء:۴۴) ۔ جو کوئی بھی چیز ہے وہ اللہ کے نام کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔ لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ جب حضرت یونس علیہ السلام نے کنکریوں کو یہ پڑھتے ہوئے سنا تو ان کی توجہ اور زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی۔ اس لئے انہوں نے بھی مچھلی کے پیٹ میں پڑھنا شروع کر دیا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ غور کیجئے کہ انہوں نے اللہ رب العزت کو معذرت کے ساتھ یاد کیا اور پھر اللہ رب العزت نے ان کو مغفرت کے ساتھ یاد کیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے بھی نجات عطا فرمائی اور ان کو اپنی قوم کا نبی اور بادشاہ بھی بنا دیا۔

ہمارے لئے مچھلی کا پیٹ:

محترم جماعت! ایک اور بات بھی ذہن میں رکھئے کہ ہمارے لئے بھی مچھلی کا پیٹ ہے۔ ہر بندے کی مچھلی مختلف ہوتی ہے اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کسی کی دکان اس کے لئے مچھلی کا پیٹ بنی ہوئی ہے، اس دکان نے اسے اپنے اندر گھیرا ہوا ہے، باندھا ہوا ہے، بلکہ گرفتار کیا ہوا ہے۔ وہ بیچارہ اس سے آزاد نہیں ہو سکتا، کسی کی بیوی اس کے لئے مچھلی کا پیٹ بنی ہوئی ہے، کسی کی اولاد اس کے لئے مچھلی کا پیٹ بنی ہوئی ہے، اور کسی نوجوان کے لئے کوئی لڑکی مچھلی کا پیٹ بنی ہوئی ہے...... اگر ہم

محسوس کرتے ہیں کہ ہم اس طرح مخلوق میں گرفتار ہیں اور ہم اس ماحول سے نہیں نکل پارہے تو ہمارے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ رب العزت کو معذرت کے ساتھ یاد کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو مغفرت کے ساتھ یاد کر کے ان کو نجات عطا فرما دی تھی، اسی طرح ہم بھی اللہ تعالیٰ سے معافیاں مانگیں، پروردگار ہمیں بھی اس ماحول سے نجات عطا فرما دے گا۔ اللہ رب العزت نے قرآن عظیم الشان میں فرمایا فَلَوْ لَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ (الصافات:۱۴۳) اگر یونس علیہ السلام ہماری تسبیح بیان نہ کرتے لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (الصافات:۱۴۴) تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ تو معلوم ہوا کہ ہم بھی جس ماحول کی مچھلی کے پیٹ میں پھنسے پڑے ہیں ہم جب تک اللہ کو یاد نہیں کریں گے، گناہوں کی معافی نہیں مانگیں گے تو پھر ہم اپنی موت تک اسی ماحول میں پھنسے رہیں گے۔

فاذکرونی اذکرکم کا ساتواں مفہوم:

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ کا ایک مطلب علمائے کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ فاذکرونی فی مھدکم اذکرکم فی لحدکم کہ تم اپنے نرم بستروں میں مجھے یاد کرو گے تو میں پروردگار تمہاری قبروں میں تمہیں یاد کروں گا۔ سبحان اللہ، ان دو لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کی حقیقت سمجھا دی۔ اور کتنے دلنشین انداز میں فرمایا کہ تم مجھے یاد کرو گے میں تمہیں یاد کروں گا، تم مجھ سے محبت کرو گے میں تم سے محبت کروں گا، تم مجھے چاہو گے میں تمہیں چاہوں گا، تم مجھے مناؤ گے میں تمہیں مناؤں گا اگر تم میری اطاعت کرو گے تو مخلوق کو تمہاری اطاعت پر لگا دوں گا، اگر تم میری عبادت کرو گے تو میں مخلوق کو تمہاری خدمت پر لگا دوں گا، تم میری عزت کرو گے میں دنیا میں تمہیں عزتیں دوں گا، تم مجھے خوشی میں یاد کرو گے میں تمہارے غم میں تمہیں یاد

کروں گا، تم مجھے معذرت کے ساتھ یاد کرو گے میں تمہیں مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا، او میرے بندو! تم میرے بن جاؤ گے میں پروردگار تمہارا بن جاؤں گا۔ تم اپنے دل و دماغ میں مجھے بسا لو گے تو میں پروردگار تمہاری آنکھیں بن جاؤں گا جن سے تم دیکھو گے، میں وہ کان بن جاؤں گا جن سے تم سنو گے اور وہ ٹانگیں بن جاؤ ں گا جن سے تم چلو گے۔ تو معلوم ہوا کہ من کان للہ کان اللہ لہ جو اللہ رب العزت کا ہو جاتا ہے پھر اللہ رب العزت اس کے ہو جاتے ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنا بنا لے، ہمیں اطاعت اور فرمانبرداری کی زندگی نصیب فرمادے اور ہمیں گناہوں کی ذلت سے محفوظ فرمادے۔ (آمین)

ذکر الٰہی کا مقصود:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ ذکر کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ انسان کے رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ ہم نے فقط تسبیح ہی نہیں پڑھنی ایسا نہ ہو کہ اوپر سے تسبیح اور اندر سے میاں کبھی۔ اوپر سے لا الہ اور اندر سے کالی بلا، ایسی تسبیح کو ہم نے کیا کرنا ہے۔ ہمارے پاس ذکر کا پیمانہ یہ ہے کہ ہماری زندگی شریعت و سنت کے بالکل مطابق ہو جائے اور ہم اللہ رب العزت کی معصیت کو چھوڑ دیں۔ جب ایسی زندگی بن جائے گی تو گویا ہمیں ذکر کی برکات نصیب ہو جائیں گی۔ اس لئے ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ دوستو! نہ ہم نے رونا ہے، نہ رلانا ہے، نہ اڑنا ہے، نہ اڑانا ہے، ہم نے تو فقط روٹھے یار (اللہ) کو منانا ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنی یاد کی توفیق نصیب فرمادے اور ہم عاجز مسکینوں کے لئے اس یاد کو آسان فرمادے۔

و اخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
رحمۃ للعالمین
از افادات
پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام
محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

نبی علیہ الصلوۃ والسلام تمام جہانوں کیلئے رحمت بن کر آئے اور اپنی اس گنہگار امت کیلئے خصوصی طور پر رحمت بن کر آئے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ہر کام امت کیلئے رحمت بنا۔ حتیٰ کہ آپ کا سونا بھی رحمت اور آپ کا بھولنا بھی رحمت بنا۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

نبیِ رحمت ﷺ کی شفقت:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کل جہانوں کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے۔ آپ امت کے لئے بہت ہی شفیق اور مہربان تھے۔ قرآن مجید میں ہے عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ:۱۲۹)۔ جب مسلمانوں پر کوئی مشکل آتی ہے تو وہ ان کے نزدیک بوجھل ہوتی ہے اور وہ اس بات کے طلبگار ہوتے ہیں کہ ایمان والوں کو زیادہ سے زیادہ رحمتیں ملیں اور وہ ان کے ساتھ بڑے رؤف اور رحیم ہیں۔ دوسری طرف امتیوں کے دلوں میں ان کی محبت کا یہ مقام ہے کہ النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسھم۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنوں سے ان کی اپنی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یعنی ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ

اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہے۔

دو بے مثال نعمتیں:

اللہ رب العزت کی دو نعمتیں بے مثال ہیں۔ پہلی نعمت ''اسلام'' ہے۔ کوئی آدمی کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اسلام اس کے پہلے والے تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ الاسلام یھدم من کان قبلہ اسلام اپنے سے پہلے والے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اس نعمت خداوندی کا قرآن مجید میں یوں تذکرہ کیا گیا، اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کہ آج کے دن میں نے تم پر دین کو مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت کامل کر دی۔ اس آیت مبارکہ میں دین کو اللہ تعالیٰ نے نعمت قرار دیا۔

دوسری نعمت ''نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات بابرکات'' ہے۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں اربوں کھربوں نعمتیں عطا فرمائیں اور یہاں تک فرما دیا کہ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم گن نہیں سکو گے، اتنی نعمتیں دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے احسان نہیں جتلایا، آنکھیں دیں مگر احسان نہیں جتلایا، زبان دی مگر احسان نہیں جتلایا، دل و دماغ دیئے مگر احسان نہیں جتلایا، رزق دیا مگر احسان نہیں جتلایا زمین کے لئے سورج، چاند اور ستارے بنائے مگر احسان نہیں جتلایا، البتہ ایک ایسی نعمت بھی دی کہ دینے والے کو بھی مزہ آ گیا اور اس دینے والے نے بھی فرمایا لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اللہ رب العزت کی طرف سے ایسی نعمت ہیں کہ یہ اس کا بندوں پر احسان ہے۔ ان دونوں نعمتوں کا کوئی نعم البدل نہیں۔

عورت کے دل میں بچے کی محبت:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے عورت کے دل میں بچے کے ساتھ محبت کا ہونا فطری چیز ہے اس کو ہر بچے کے ساتھ عمومی محبت ہوتی ہے اپنے بیٹے کے ساتھ خصوصی محبت ہوتی ہے۔ اگر کچھ مرد حضرات کسی جگہ موجود ہوں اور ان کے سامنے کوئی بچہ روئے تو وہ اتنے زیادہ متوجہ نہیں ہوں گے لیکن اگر کوئی عورت قریب ہوگی تو اس کا دل فوراً پسیج جائے گا اور اٹھ کر معلوم کرے گی کہ بچہ کیوں رو رہا ہے۔

ایک عجیب مقدمہ:

ایک بچے پر دو عورتوں نے مقدمہ کر دیا۔ ایک کہتی تھی کہ یہ میرا بیٹا ہے اور دوسری کہتی تھی کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ وقت کے قاضی نے کہا، اچھا دلائل سے تو یوں پتہ نہیں چل رہا کہ یہ بچہ کس کا ہے لہٰذا ہم بچے کے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو بچے کے دو ٹکڑے کروانے پر تیار ہوگئی مگر دوسری نے کہا کہ بچے کے ٹکڑے نہ کریں، بچہ اسی عورت کو دے دیں، چلو میں اس کو کبھی کبھی تو دیکھ لیا کروں گی۔ اس بات سے قاضی نے اندازہ لگا لیا کہ ان دونوں میں سے وہ بچہ کس کا ہے۔ یوں گویا ماں خود تو قربان ہو جاتی ہے مگر اس سے بچے کی تکلیف نہیں دیکھی جا سکتی۔

ہر کام امت کے لئے رحمت

نبی علیہ الصلوۃ والسلام تمام جہانوں کے لئے عمومی طور پر رحمت بن کر تشریف لائے اور اپنی اس گنہگار امت کے لئے خصوصی طور پر رحمت بن کر آئے۔ چنانچہ نبی

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر کام رحمت بنا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھول......ایک رحمت:

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہر یا عصر کی نماز میں چار رکعت کی نیت باندھی اور دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیا۔ صحابہ کرامؓ کے اندر اتنا ادب تھا کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ نے چار رکعتوں کی بجائے دو رکعتیں پڑھیں بلکہ یوں پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا آج کے بعد اس نماز کی دو رکعتیں ہو گئی ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، نہیں چار رکعتیں ہی ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ نے تو دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا لَا نَسِيتُ بَلْ نُسِّيتُ کہ میں بھولا نہیں بلکہ بھلایا گیا ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھلایا ہے کہ اس بھول کی وجہ سے امت کے لئے سجدۂ سہو کا مسئلہ واضح ہو جائے۔ سبحان اللہ، جس محبوب ﷺ کا بھول جانا بھی امت کے لئے رحمت ہو اس محبوب ﷺ کا حالت ہوش اور بیداری میں ہونا امت کے لئے کتنی بڑی رحمت ہوگا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیند......ایک رحمت:

ایک مرتبہ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جہاد سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ دیر ہو گئی، رات کے وقت آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو فرمایا کہ آپ پہرہ دیں اور پھر فجر کی نماز کے لئے سب کو جگا دینا۔ سب حضرات آرام فرمانے لگے اور حضرت بلالؓ پہرہ دینے لگے۔ پہرہ دیتے دیتے حضرت بلالؓ نے ایک جگہ ٹیک لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی نیند مسلط فرما دی۔ حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ جب سورج کی شعاعوں

نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رخسار مبارک کے بوسے لئے تو آپ ﷺ بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا، بلال! تم بھی سو گئے اور ہمیں بھی نہ جگایا۔ عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! جس ذات نے آپ پر نیند طاری کر دی اسی پروردگار نے مجھے بھی سلا دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس لئے نیند طاری فرما دی کہ یہ نماز قضا ہو اور تم لوگوں کے سامنے قضا نماز کو ادا کرنے کا مسئلہ واضح ہو جائے۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس نبی ء رحمت کا سو جانا بھی امت کے لئے رحمت ہو ان کا جاگنا امت کے لئے کتنی بڑی رحمت ہوگا۔

بددعا کے رحمت بننے کی دعا:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا مانگی، اے اللہ! اگر میں کسی کے لئے بددعا کروں، اور کسی کو ماروں تو اے اللہ! میری بددعا کو اور میرے برے کلمہ کہنے کو اس شخص کے حق میں رحمت بنا دینا اور اسے اپنا قرب عطا فرما دینا۔ جس محبوب ﷺ کی زبان سے بالفرض بددعا نکلے اور وہ بھی رحمت بن جائے تو اس محبوب ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے جو دعائیں نکلیں وہ کتنی بڑی رحمت بنی ہوں گی۔

نبی ورحمت کی رحمت اللعالمینی سے ہر ایک نے حصہ پایا۔

ماں کا حصہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی سے ماں نے حصہ پایا، دنیا کو ماں کے مقام کا ابھی اتنا پتہ نہیں تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آ کر وضاحت فرمائی کہ

الجنۃ تحت اقدام الامہات تمہارے لئے جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی آ کر بتایا کہ جو بیٹا یا بیٹی اپنی ماں کے چہرے پر محبت و عقیدت کی ایک نظر ڈالے اللہ تعالیٰ ہر نظر کے بدلے اسے ایک حج یا عمرے کے برابر اجر عطا فرمائیں گے۔

بیٹی کا حصہ:

آپ ﷺ کی رحمت سے بیٹی نے حصہ پایا۔ چنانچہ وہ عرب لوگ جو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور جو بیٹی کی پیدائش کے بارے میں سنتے تھے تو ان کے چہروں پر سیاہی آ جاتی تھی، ان عربوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تعلیم دی کہ جس گھر میں دو بیٹیاں ہوں اور باپ ان کی اچھی تربیت کرے حتیٰ کہ ان کی شادی کر دے تو وہ جنت میں میرے ساتھ ایسے ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہیں۔ سبحان اللہ، بیٹی کو کتنا بلند مقام ملا۔ اسی لئے فقہاء نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ہاں بیٹا بھی ہو اور بیٹیاں بھی ہوں اور وہ کوئی چیز گھر میں لے کر آئے تو اس باپ کو چاہیے کہ وہ پہلے اپنی بیٹی کو چیز دے اور بعد میں بیٹے کو دے۔ سبحان اللہ، بیٹی کو ایک بلند مقام ملا اور لوگوں پر واضح ہوا کہ بیٹی زحمت نہیں بلکہ بیٹی رحمت ہے۔

بیوی کا حصہ:

آپ ﷺ کی رحمت للعالمینی سے بیوی نے بھی حصہ پایا۔ عربوں میں بیویوں کو ایسی مصیبت میں ڈال دیا جاتا تھا کہ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا۔ نہ ان کو وراثت میں کوئی حق ملتا تھا، خاوند اپنی بیوی کو نہ طلاق دیتے تھے اور نہ انہیں اچھی طرح اپنے پاس رکھتے تھے۔ وہ انہیں درمیان میں ہی معلق کر دیتے تھے۔ ان کا کوئی حق بھی تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تشریف لا کر بیوی

کوحقوق دلوائے۔آپ ﷺ نے ارشادفرمایاخیر کم خیر کم لاھلہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جوتم میں سے اپنے اہل خانہ کے لئے بہتر ہے۔آپ ﷺ نے ایک اور موقع پرارشادفرمایاکہ دنیاایک متاع ہےاور بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ایک اور موقع پرارشادفرمایا، مجھے تمہاری دنیامیں سے تین چیزیں محبوب ہیں۔ان میں سے ایک چیز نیک بیوی فرمائی۔گویاآپ ﷺ نے ان تعلیمات کے ذریعے معاشرے میں بیوی کے مقام کوواضح فرمایا۔

خاوند کا حصہ:

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے خاوند نے بھی حصہ پایا۔خاوند کے مقام کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایاکہ اگراللہ رب العزت کے سواکسی اور کوسجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورت کوحکم دیتاکہ وہ اپنے خاوند کوسجدہ کرے۔خاوند کو یہ مقام اللہ رب العزت نے محبوب ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے عطافرمایا۔

چھوٹے بڑوں کا حصہ:

آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے صدقے چھوٹے بڑوں نے حصہ پایا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم دی من لم یرحم صغیرنا و لم یؤقر کبیرنا فلیس منا کہ جوچھوٹوں پررحم نہیں کرتااور بڑوں کااحترام نہیں کرتاوہ ہم میں سے ہی نہیں۔

علمائے کرام کا حصہ:

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے علمانے بھی حصہ پایانبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء علماانبیاکے وارث ہیں۔اور بعض روایات

میں فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند اٹھائے جائیں گے۔اور فرمایا کہ جس نے کسی عالم باعمل کے پیچھے نماز پڑھی ایسا ہی ہے جیسے اس نے میرے پیچھے نماز پڑھی۔کیونکہ جب کام بڑا ہوتا ہے تو پھر مقام بھی بڑا ملتا ہے۔حتیٰ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا فقیہ واحد اشد علی الشیطن من الف عابد کہ ہزار عبادت گزار ہوں تو بھی ایک عالم ان سے زیادہ بھاری ہے۔

طالبعلموں کا حصہ:

تاجدار مدینہ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے طالب علموں نے بھی حصہ پایا۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، من کان فی طلب العلم کانت الجنة فی طلبه جو انسان علم کی طلب میں ہوتا ہے جنت اس بندے کی طلب میں ہوتی ہے۔ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی طالب علم اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے قدم نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں۔یوں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی کی وجہ سے طالب علم کو عزت اور شرف بخشا گیا۔

مجاہد کا حصہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی سے مجاہد نے بھی حصہ پایا۔اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی انسان اللہ کے راستے میں نکلتا ہے اور اسے کوئی بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اسے ہر چھوٹی بڑی تکلیف پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر نصیب ہوتا ہے۔ذلک بانهم لا یصیبهم ظما و لا نصب و لا مخمصة فی سبیل الله و لا یطؤن موطئا یغیض الکفار و لا ینالون من عدوا نیلا الا

کتب لھم بہ عمل صالح. اللہ کی طرف سے ان کے لئے ہر ہر بات پر اجر لکھا جاتا ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مجاہد جب اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے تو ابھی اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر نہیں گرتا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے دس گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جب لوگوں کی روح قبض کرنے کا وقت آتا ہے تو ان کی روح کو ملک الموت قبض کرتے ہیں، لیکن جب مجاہد کے شہید ہونے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا ضابطہ بدل لیتے ہیں اور ملک الموت کو ارشاد فرماتے ہیں، اے ملک الموت! میرا یہ بندہ میرے نام پر اپنی جان دے رہا ہے، اب اس کی روح لینے کا وقت ہے، اب تو پیچھے ہٹ جا، اس کی روح میں خود لوں گا۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجاہد کی روح کو خود جسم سے جدا کرتے ہیں......

اصول تو یہ تھا کہ ولی ہو، ابدال ہو، قطب ہو یا کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اگر وہ فوت ہو جائے تو چونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اس لئے اس کو نہلا دیا جائے، پہلے کپڑے اتار دیئے جائیں اور کفن کے کپڑے پہنا دیئے جائیں تاکہ یہ ایک یونیفارم میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو۔ لیکن جب مجاہد کا معاملہ آیا تو پروردگار عالم نے اس کی محبت کے صدقے اپنے ضابطے بدل دیئے اور فرمایا کہ اس کو نہلانا بھی نہیں کیونکہ یہ تو اب خون میں نہا چکا ہے، اب اسے پانی سے نہلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے کفن پہنانے کی بھی ضرورت نہیں، اس کے کپڑوں پر جو خون کے داغ لگے ہیں یہ تو مجھے پھولوں کی طرح محبوب ہیں، میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ انہی خون آلود کپڑوں میں میرے سامنے کھڑا کر دیا جائے۔ سبحان اللہ۔

تاجر کا حصہ:

اللہ کے محبوب ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے تاجر کو حصہ ملا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے ارشاد فرمایا سچا تاجر قیامت کے دن اللہ رب العزت کے نزدیک انبیا کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ سبحان اللہ

مزدور کا حصہ:

مزدور کو بھی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ آپ ﷺ کے پاس ایک صحابیؓ آئے۔ انہوں نے مصافحہ کیا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دیکھا کہ ان کی ہتھیلی پر گٹے پڑے ہوئے تھے جس کی وجہ سے ہتھیلی سخت تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ کہنے لگے، اے اللہ کے نبی ﷺ! میں پتھر توڑتا ہوں جس کی وجہ سے میرے ہاتھ سخت ہو گئے ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا الکاسب حبیب اللہ کہ ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے۔ گویا ملازمین اور محنت مزدوری کرنے والوں کو بھی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے عظمت عطا ہوئی۔

پڑوسی کا حصہ:

پڑوسی کو بھی سید الانبیا ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ پڑوسی کے حقوق کے بارے میں جبرئیل امین علیہ السلام اتنی دفعہ میرے پاس آئے کہ مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ شاید بندے کے مرنے کے بعد اس کے پڑوسی کو بھی اس کی وراثت میں شامل کر لیا جائے گا۔ اندازہ لگائیے کہ پڑوسی کے حقوق کا کتنا اہتمام فرمایا گیا۔

یتیم کا حصہ:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے یتیم نے بھی حصہ پایا۔ معاشرے میں عام طور پر یتیم کو کوئی بھی کچھ حق دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا مگر نبی

اکرم ﷺ نے آ کر یتیم کے حقوق بھی متعین فرمائے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا انا و کافل الیتیم ھکذا جو آدمی کسی یتیم کی کفالت کرنے والا ہوگا وہ جنت میں میرے ساتھ ایسے ہوگا جس طرح ہاتھ کی دو انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہیں۔

یتیم......نبی اکرم ﷺ کی نظر میں:

مشہور روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام عید کے دن گھر سے مسجد کی طرف تشریف لانے لگے راستے میں آپ ﷺ نے کچھ بچوں کو کھیلتے دیکھا۔انہوں نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔بچوں نے سلام عرض کیا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب ارشاد فرمایا،اس کے بعد آپ ﷺ آگے تشریف لے گئے۔نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے آگے چل کر دیکھا تو ایک بچے کو خاموشی کے ساتھ اداس بیٹھا دیکھا۔آپ ﷺ اس کے قریب رک گئے۔آپ ﷺ نے اس بچے سے پوچھا،تمہیں کیا ہوا ہے،کیا وجہ ہے کہ تم اداس اور پریشان نظر آرہے ہو؟اس نے رو کر کہا،اے اللہ کے محبوب ﷺ!میں یتیم مدینہ ہوں،میرے سر پر باپ کا سایہ نہیں ہے جو میرے لئے کپڑے لا دیتا،میری امی مجھے نہلا کر نئے کپڑے پہنا دیتی،اس لئے میں یہاں اداس بیٹھا ہوں۔نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اسے فرمایا کہ تم میرے ساتھ آؤ۔

آپ ﷺ اسے لے کر واپس اپنے گھر تشریف لائے اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا،حمیرا!انہوں نے عرض کیا،لبیک یا رسول اللہ اے اللہ کے رسول ﷺ!میں حاضر ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا،تم اس بچے کو نہلا دو۔چنانچہ اسے نہلا دیا گیا۔اتنے میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی چادر کے دو ٹکڑے کر دیئے۔کپڑے کا ایک ٹکڑا اسے تہبند کی طرح باندھ دیا گیا اور دوسرا اس کے بدن پر لپیٹ دیا گیا۔پھر اس کے سر پر تیل لگا کر کنگھی کی گئی۔حتیٰ کہ جب وہ بچہ تیار ہو گیا اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ چلنے لگا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نیچے بیٹھ گئے اور اس

بچے کو فرمایا، آج تو پیدل چل کر مسجد میں نہیں جائے گا بلکہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر جائے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس یتیم بچے کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا اور اسی حالت میں اس گلی میں تشریف لائے جس میں بچے کھیل رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو وہ رو کر کہنے لگے کہ کاش! ہم بھی یتیم ہوتے اور آج ہمیں بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر سوار ہونے کا شرف نصیب ہو جاتا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مسجد میں تشریف لائے تو آپ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے تو وہ بچہ نیچے بیٹھنے لگا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اشارہ کر کے فرمایا، کہ تم آج زمین پر نہیں بیٹھو گے بلکہ میرے ساتھ منبر پر بیٹھو گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس بچے کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا اور پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو شخص یتیم کی کفالت کرے گا اور محبت و شفقت کی وجہ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرے گا اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں اتنی نیکیاں لکھ دے گا۔

سائل اور محروم کا حصہ:

نبی رحمت کی رحمۃ للعالمینی سے سائل اور محروم کو بھی حصہ ملا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ یعنی امیر لوگوں کے مالوں میں سائلین کا بھی حصہ ہوتا ہے۔

ہنر مندوں کا حصہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی سے ہنر مندوں نے بھی حصہ پایا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، کہ ہنر مند مومن بے ہنر مومن سے اللہ

رب العزت کو زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس طرح گویا ہنر سیکھنے والوں کو اللہ تعالی کے محبوب ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ مل رہا ہے۔

غلاموں اور باندیوں کا حصہ:

سید الاولین والآخرین ﷺ کی رحمۃ اللعالمینی سے غلاموں اور باندیوں کو بھی حصہ ملا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام جب دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو اس وقت آپ ﷺ نے امت کو یہی نصیحت فرمائی الصلوۃ الصلوۃ و ما ملکت ایمانکم نماز کا دھیان رکھنا، نماز کا دھیان رکھنا اور جو تمہارے ماتحت، غلام یا باندیاں ہیں تم ان کے حقوق کی بھی رعایت کرنا۔

جانوروں کا حصہ:

انسان تو انسان ہی ہیں، جانوروں کو بھی آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جیسے زمانہ جاہلیت میں جانوروں کو تکلیف دی جاتی تھی تم ان کو اس طرح تکلیف مت دو۔

زمانہ جاہلیت میں جب بارش نہ ہوتی تو ایک جانور کی دم کے اوپر کوئی چیز باندھ کر اس کو آگ لگا دی جاتی تھی۔ جب آگ لگتی اور جانور کی دم جلتی تو وہ تڑپتا اچھلتا تو وہاں کے لوگ ہنستے مسکراتے اور سمجھتے تھے کہ جانور کے اس تڑپنے کی وجہ سے بارش آئے گی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ایسی بری حرکتوں سے منع فرما دیا۔ بلکہ اگر آدمی اپنی سواری کا جانور رکھے تو اس کے دانے پانی کا خیال رکھنے کا بھی حکم فرمایا ہے اور یہ بھی تعلیم دی ہے کہ تم اس کو بلا وجہ تکلیف نہ دو۔

جنات کا حصہ:

جنات کو بھی نبی اکرم ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ چنانچہ نبی علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی آدمی قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے لئے ویرانے میں بیٹھے تو وہ بسم اللہ پڑھ لے۔ بسم اللہ پڑھ لینے سے اس کے جسم کے گرد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پردہ آ جائے گا اور اگر وہاں جن موجود ہوں گے تو ان کو بے پردگی کا کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا۔ پھر فرمایا کہ جب تم قضائے حاجت سے فارغ ہو تو ہڈی وغیرہ سے پاخانہ کو صاف نہ کرو کیونکہ ہڈیاں جنوں کی غذا ہوتی ہیں۔ جنات کے حقوق کی رعایت فرماتے ہوئے تعلیم دی کہ ایسا کام نہ کرنا جس سے جنات کو تکلیف پہنچے۔

درختوں کا حصہ:

درختوں کو بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی سے حصہ ملا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کو بلا مقصد درخت کے پتے کو بھی نہیں توڑنا چاہئے۔ اس لئے کہ جو سرسبز پتہ درخت کے ساتھ لگا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تم پھلدار درختوں کے نیچے پیشاب پاخانہ نہ کیا کرو۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! اس میں کیا حکمت ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم دیکھتے ہو کہ جب سورج بلند ہوتا ہے تو اس کی دھوپ کے ساتھ درخت کا سایہ بھی گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! جی ہاں، ایسا ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب درخت کا سایہ گھٹتا اور بڑھتا ہے تو اس وقت درخت بھی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے تم اس کی عبادت میں دخل نہ دیا کرو۔

مُردوں کا حصہ:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمۃ للعالمینی سے جہاں انسانوں، جنوں، نباتات

اور جمادات کو حصہ ملا وہاں مُردوں کو بھی حصہ ملا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، اذکروا محاسن موتاکم کہ تم اپنے مُردوں کی اچھائیاں بیان کیا کرو۔ اگر اس میں کوئی غلطی، کوتاہی اور خامی بھی تھی تو اس کے تذکرے سے منع فرما دیا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حصہ:

محبوب خدا ﷺ کی رحمۃ للعالمینی سے فرشتوں نے بھی حصہ پایا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، جبرئیل! کیا تمہیں بھی میری رحمۃ للعالمینی سے کچھ حصہ ملا؟ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! جی ہاں۔ پوچھا، وہ کیسے؟ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا، وہ اس طرح کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے میں نے اپنی آنکھوں سے شیطان کا برا انجام دیکھا تھا، اس لئے مجھے اپنے بارے میں ڈر لگا رہتا تھا کہ پتہ نہیں کہ میرا کیا معاملہ بنے گا، لیکن جب آپ ﷺ تشریف لائے تو اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں میرے بارے میں ارشاد فرمایا اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ . ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ . مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۔ ان الفاظ کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ نے میرا تذکرہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرا انجام اچھا ہوگا۔ لہٰذا آپ کی رحمۃ للعالمینی سے میں نے بھی حصہ پالیا ہے۔

تیری چھاؤں بھی گھنی ہے......:

اب اس سے اندازہ لگائیے کہ وہ نبی رحمت ﷺ جو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ان کی رحمۃ للعالمینی سے ہر ایک نے کتنا حصہ پایا۔ اسی لئے کسی شاعر نے کہا:

وہ جو شیریں سخنی ہے میرے مکی مدنی
تیرے ہونٹوں سے چھنی ہے میرے مکی مدنی
تیرا پھیلاؤ بہت ہے تیرا قامت ہے بلند
تیری چھاؤں بھی گھنی ہے میرے مکی مدنی
دست قدرت نے تیرے بعد پھر ایسی تصویر
نہ بنائی نہ بنی ہے میرے مکی مدنی
نسل در نسل تیری ذات کے مقروض ہیں ہم
تو غنی ابن غنی ہے میرے مکی مدنی

امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازشات

❁ نبی رحمت ﷺ کی مبارک اور مقبول دعاؤں سے اس گنہگار امت نے بھی وافر حصہ پایا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کے صدقے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے بہت ساری سختیوں کو دور فرما دیا۔ یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہوئی تھی اور اس بھول پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوا تھا کہ ان کو جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا۔ انہوں نے جنت کی جو پوشاک پہنی ہوئی تھی وہ بھی اتروالی گئی۔ قرآن مجید میں بھی ان کی بھول کا تذکرہ فرما دیا گیا۔ لیکن امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہے کہ اگر امت محمدیہ ﷺ کا آدمی بھولنے کی بجائے جان بوجھ کر بھی گناہ کرے تو اللہ رب العزت اس کے جان بوجھ کر گناہ کرنے کی وجہ سے اس کو اپنے دربار سے نہیں نکالتے بلکہ اس کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی جسم سے کپڑے اتار کر گناہ کرے تو اللہ

تعالیٰ اپنی رحمت سے دوبارہ اس کو کپڑے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اگر کوئی گھر سے نکل کر گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو واپس گھر پہنچا دیتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں سے اگر کوئی آدمی چھپ کر گناہ کیا کرتا تھا تو اس کے دروازے پر لکھ دیا جاتا تھا کہ فلاں آدمی نے چھپ کر گناہ کیا ہے۔ گویا لوگوں کے سامنے اس کی رسوائی ہوا کرتی تھی لیکن اللہ رب العزت نے اس گنہگار امت کے ساتھ پردہ پوشی کا معاملہ فرمایا۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو چھپ چھپ کر گناہ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اتنے کریم ہیں کہ پھر بھی لوگوں کی زبانوں سے ان کی تعریفیں کروا دیتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہونے والے اور اپنے پروردگار کے حکموں کو پس پشت ڈالنے والے جو سزا کے مستحق تھے ان پر بھی پروردگار کی طرف سے یہ رحمت ہوئی کہ اللہ رب العزت نے ان کو دنیا کے اندر رسوا کرنے کی بجائے اپنی رحمت کی چادر میں چھپا دیا، اس لئے کہ ممکن ہے یہ کسی وقت بھی توبہ کرلے تو یہ میرے اور بندے کے درمیان معاملہ ہے۔ میں پروردگار اس کی توبہ کو قبول فرمالوں گا۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب بنی اسرائیل کے لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی قبولیت کے لئے فرمایا کہ تم باہر نکلو، میں ایک بادل کے ذریعے اندھیرا کردوں گا، تم میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ اپنے ہاتھوں میں چھریاں پکڑ لیں اور ان لوگوں کو ماریں جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔ فاقتلوا انفسکم تم قتل کرواپنی جانوں کو۔ تو اس وقت توبہ کی قبولیت پر ایسی کڑی شرائط لگائی جاتی تھیں۔ لیکن امت محمدیہ ﷺ کے لئے پروردگار نے ان سختیوں کو دور فرما دیا۔ چنانچہ سو سال کا کافر اور مشرک بھی کوئی ہو، اگر وہ کسی دن اللہ کے حضور بیٹھ کر سچے دل سے توبہ کرلے تو پروردگار اس کی توبہ کو قبول فرمالیتے ہیں۔

پہلی امتوں کے بارے میں کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ جب ان کے

کپڑوں پر ناپاکی لگ جاتی تھی ، منی اور پیشاب پاخانہ وغیرہ تو انہیں اس کپڑے کو کاٹنا پڑتا تھا، لیکن امت محمدیہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمادی کہ اگر کسی طرح کی ناپاکی بھی جسم کے ساتھ لگے تو اس کو دھونے اور پاک کرنے کے لئے صرف تین چلو پانی کافی ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کپڑے پر ناپاکی لگے اور وہ اسے تین بار دھولے تو وہ کپڑا اس کے لئے دوبارہ قابل استعمال ہو جائے گا۔

❁ بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ تم نے جس عضو سے گناہ کیا، تم اپنے اس عضو کو کاٹو گے تو ہم تمہاری توبہ کو قبول کریں گے۔ لیکن اللہ رب العزت نے امت محمدیہ کے لئے اس سختی کو اٹھالیا اور آسانی فرمادی۔

❁ بنی اسرائیل کے لوگ جب زکوٰۃ دیتے تھے تو ان کو حکم تھا کہ وہ اپنی زکوٰۃ کے مال کو پہاڑ کی چوٹی پر جا کر رکھیں ، پھر ایک آگ آئے گی اور اس مال کو جلادے گی ، اگر وہ جل گیا تو تمہاری زکوٰۃ قبول ہو جائے گی ، لیکن اگر اس میں کسی کا حرام کا مال ہوتا تو آگ اس کو نہ جلاتی اور پوری قوم کو پتہ چل جاتا کہ کسی کے پاس حرام کا مال ہے۔ بالآخر تفتیش شروع ہوتی اور یوں حرام مال والے کی رسوائی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اس سختی کو دور فرمادیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک بھائی جو امیر ہے، اگر وہ زکوٰۃ نکالنا چاہتا ہے تو وہ اس بھائی کو دے سکتا ہے جو غریب ہے، قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو بھی دے سکتا ہے۔ انسانوں کا مال آگ جلائے اور وہ کسی کے کام نہ آئے ، اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے اس مال کو قابل استعمال بنادیا۔ اس مال میں اگر اونچ نیچ والا مال بھی ہوا تو وہ معاملہ اللہ تعالیٰ نے آخرت پر چھوڑ دیا۔ دنیا میں رسوا نہیں فرمایا۔

❁ اللہ رب العزت نے نبی رحمت ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے صدقے اس امت کو چند اور خاص نعمتیں بھی عطا فرمائیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے پوری زمین کو مصلّٰے بنا دیا ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ! میری امت کی شکلوں کو مسخ نہ فرما دینا، اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو بھی قبول فرما لیا۔ جب کہ پہلی امتیں اگر گناہ کرتی تھیں تو ان کی شکلوں کو مسخ کر دیا جاتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ کہ تم پھٹکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ بھی دعا مانگی کہ اے اللہ! ان پر کوئی ایسا ظالم مسلط نہ کر دینا جو میری پوری امت کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا دے۔ اللہ رب العزت نے اس دعا کو بھی قبول فرما لیا۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ خاص دعائیں مانگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری وہ دعائیں بھی قبول ہوئی ہیں۔ مثلاً

1. جو آدمی طاعون کی حالت میں مرے گا اسے قیامت کے دن شہیدوں کی قطار میں کھڑا کیا جائے گا۔
2. جو شخص پیٹ کی بیماری میں مرے گا وہ بھی قیامت کے دن شہیدوں میں شمار کیا جائے گا۔
3. جو شخص جل کر مرے گا قیامت کے دن وہ بھی شہیدوں میں شامل کیا جائے گا۔
4. جو شخص مکان گرنے سے دب کر مرے گا یعنی ایکسیڈنٹ کی وجہ سے اچانک مرے گا اس کو قیامت کے دن شہیدوں میں شامل کر دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی عورت بچے کی ولادت کے وقت فوت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس عورت کو بھی قیامت کے دن شہیدوں میں شامل فرما دیں گے۔

امت کے غم میں نبی اکرم ﷺ کا رونا:

احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام جب تہجد کی نماز میں تلاوت قرآن مجید فرماتے اور ان آیات میں پہلے والی قوموں کا تذکرہ پڑھتے یعنی

ایسی آیات پڑھتے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان قوموں کے ساتھ یہ معاملہ کیا

وَعَادًا وَّثَمُودَا وَّاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا . وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا (الفرقان:۳۸)

جب ان قوموں کے حالات کا تذکرہ ہوتا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فوراً اپنی گنہگار امت کا خیال آتا اور آپ ﷺ ان آیتوں کو پڑھتے ہوئے رو پڑتے۔

نبی اکرم ﷺ کی دعاؤں کا حصار:

آپ ﷺ کی ریش مبارک میں چند سفید بال آگئے تو کسی نے پوچھا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ کے بال مبارک جلدی سفید ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے سورۃ ھود اور اس طرح کی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ تو جب آپ پہلی امتوں کا تذکرہ پڑھتے تو آپ اپنی امت کے بارے میں فکرمند ہو جاتے اور دعا کرتے کہ اے اللہ! میری امت کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمانا۔ یہ دعائیں مانگتے ہوئے آپ ﷺ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی اور سینہ مبارک پر بھی آنسو گرتے اور کبھی کبھی پاؤں مبارک متورم ہو جاتے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ کھانا کھانے کے دوران جب آپ ﷺ کو اپنی امت کا خیال آتا تو آپ ﷺ کھانا چھوڑ دیتے اور امت کے لئے دعا کرنے میں مشغول ہو جاتے۔ معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں نے اس امت کا چاروں طرف سے احاطہ کیا ہوا ہے۔ جو اس امت کی حفاظت کر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانیاں پیدا ہونے کا سبب بن رہی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا خصوصی امتیاز:

یاد رکھنا کہ امت کے غم میں رونا ہم نے کتابوں میں پہلے والے انبیا کے بارے میں نہیں پڑھا۔ امت کے غم میں رونا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک امتیاز ہے۔ آپ ﷺ کی یہ خصوصی شان ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کے غم میں روتے ہوئے یا رب امتی ، یا رب امتی فرمایا کرتے تھے۔ پہلے انبیاء کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا کہ اگر ان کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا تو انہوں نے بددعائیں کر دیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تو یہاں تک کہہ دیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۔ اے پروردگار! اس دھرتی پر کافروں کا کوئی ایک گھر بھی باقی نہ چھوڑنا مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کچھ اور ہی معاملہ تھا آپ ﷺ رات کے وقت اٹھتے اور اپنی گنہگار امت کے لئے دعائیں مانگتے۔

ہر نبی علیہ السلام کے لئے ایک دعا کا اختیار:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک ایسا اختیار دیا کہ وہ جو بھی دعا مانگیں اس دعا کو اسی طرح قبول کر لیا جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا ہر نبی نے دعا مانگی ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہاں۔ صحابہ کرامؓ پھر پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا آپ نے بھی دعا مانگی ؟ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا، نہیں بلکہ میں نے اس دعا کو اپنے لئے ذخیرہ بنا دیا ہے۔ اب قیامت کے دن میں وہ دعا مانگوں گا اور اپنی امت کے گنہگاروں کی بخشش کا سبب بن جاؤں گا۔ سبحان اللہ۔

روز محشر امت محمدیہ کی پہچان:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو

میں ان کے لئے شفاعت کروں گا۔ اسے شفاعت کبریٰ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شفاعت کی وجہ سے ان کو معاف فرمادیں گے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ﷺ! وہاں تو اتنے انسان اکٹھے ہوں گے، آپ ان میں سے اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے امتیوں کے جو وضو کے اعضاء ہوں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو نورانی بنادیں گے۔ جس کی وجہ سے وہ تمام انسانوں میں ممتاز نظر آئیں گے۔ اس طرح میں اپنی امت کے لوگوں کو پہچان لوں گا۔

بلاحساب جنت میں داخلہ:

ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت قیامت کے دن میری امت کے ستر ہزار لوگوں کو بلا حساب کتاب جنت عطا فرمائے گا اور ایسا ہر جنتی اپنے ساتھ ستر ہزار گنہگاروں کو لے کر جنت میں جائے گا۔ مثال کے طور پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقام کے ستر ہزار لوگوں کو بلا حساب جنت ملے گی پھر ایسے ہر فقیہہ کو اپنی پیروی کرنے والے ستر ہزار لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر جنت میں جانے کا موقع ملے گا۔ اگر ستر ہزار کو ستر ہزار سے ضرب دیں تو اس امت کے ایک ارب چالیس کروڑ انسان بلا حساب و کتاب جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے جب یہ وعدہ ہو گیا تو اللہ کے محبوب ﷺ پھر دعائیں مانگتے رہے کہ اے اللہ! یہ تو صرف اتنے ہی لوگ بلا حساب کتاب جنت میں جائیں گے، ان کے علاوہ اور بھی تو ہوں گے تو پروردگار عالم نے وعدہ فرمایا، اے میرے نبی رحمت ﷺ! آپ کی دعاؤں کو اور آپ کے رونے کو میں نے قبول کر لیا اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میں آپ کی امت کے لوگوں میں سے تین لپیں بھر کر جہنم سے نکال دوں گا اور ان کو اپنی رحمت

سے جنت عطا کر دوں گا۔

میراث آدم علیہ السلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسری حصہ:

محبوب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ قیامت کے دن تمام انسانوں کی (120) ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے (80) اسی صفیں میری امت کی بنائیں گے اور (40) چالیس صفیں باقی انبیا کی امتوں کی بنیں گی۔ سبحان اللہ، دیکھیں کہ جب باپ کی میراث تقسیم ہوتی ہے تو دو حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو ملتا ہے۔ اسی طرح جب حضرت آدم علیہ السلام کی میراث تقسیم ہوئی تو سب انبیا کو ملنے والا حصہ دختری حصہ بنا اور محبوب ﷺ کو پسری حصہ ملا۔

روز محشر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کا حکم:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت کو سجدہ کرنے کا حکم دے گا۔ لہٰذا میرا جو بھی امتی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سجدے کی وجہ سے اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔

امت کے غم کی انتہا:

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ جبرئیل علیہ السلام کچھ غمزدہ سے لگ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، جبرئیل! کیا معاملہ ہے کہ میں آج آپ کو غمزدہ دیکھتا ہوں۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا، اے محبوب کل جہاں! میں اللہ کے حکم سے آج جہنم کا نظارہ کر کے آیا ہوں۔ اس کو دیکھنے کی وجہ سے میرے اوپر غم کے اثرات ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا، جبرئیل! بتاؤ جہنم کے کیا حالات ہیں؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جہنم کے اندر سات

درجے ہوں گے۔ ان میں سے جو سب سے نیچے ہوگا اس کے اندر اللہ تعالیٰ منافقوں کو رکھیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار اس سے اوپر والے (چھٹے) درجے میں اللہ تعالیٰ مشرک لوگوں کو ڈالیں گے۔ اس سے اوپر پانچویں درجے میں اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کی پرستش کرنے والوں کو ڈالیں گے، چوتھے درجے میں اللہ تعالیٰ آتش پرست لوگوں کو ڈالیں گے اس سے اوپر تیسرے درجے میں یہودیوں کو ڈالیں گے، دوسرے درجے میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو ڈالیں گے۔ یہ کہہ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ محبوب ﷺ نے پوچھا، جبرئیل! آپ خاموش کیوں ہو گئے ہیں؟ بتاؤ کہ پہلے درجے میں کون ہوں گے؟ عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! سب سے اوپر والے یعنی پہلے درجے میں اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے گنہگاروں کو ڈالیں گے۔

جب آپ ﷺ نے یہ سنا کہ میری امت کے گنہگاروں کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا تو آپ ﷺ بہت غمگین ہوئے اور آپ ﷺ نے اللہ کے حضور دعائیں کرنا شروع کر دیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ تین دن ایسے گزرے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لاتے، نماز پڑھ کر حجرے میں تشریف لے جاتے، حجرہ بند کر لیتے اور حجرے کے اندر پروردگار کے سامنے آہ وزاری میں مشغول ہو جاتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران ہوتے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ کیا خاص کیفیت ہے کہ کسی سے بات چیت بھی نہیں کرتے اور نماز پڑھنے کے بعد حجرے کی تنہائی کو اختیار فرما لیتے ہیں، گھر بھی تشریف نہیں لے جا رہے۔ یہ کیا معاملہ بنا؟

جب تیسرا دن ہوا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ آپ ﷺ کے حجرہ شریف کے دروازے پر آئے اور دستک دی اور کہا السلام علیکم،

لبیك یا رسول اللہ یعنی اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں حاضر ہوں، لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے اور انہوں نے روتے ہوئے جا کر حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا، عمر! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت میرے سلام کا جواب عطا نہیں فرمایا، لہٰذا آپ جائیں ممکن ہے کہ آپ کو سلام کا جواب مل جائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرہ مبارک کے دروازے پر آئے اور انہوں نے بھی اونچی آواز سے تین مرتبہ سلام کیا مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جواب کی آواز اونچی نہ آئی۔ چنانچہ وہ بھی یہی سمجھے کہ ابھی دروازہ کھلنے کی اجازت نہیں ہے لہٰذا وہ بھی واپس تشریف لے گئے۔ واپسی پر ان کی ملاقات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، سلمان! آپ کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا السلمان منا اهل البیت کہ سلمان تو میرے اہل بیت میں سے ہے۔ اس لئے آپ جائیں ہوسکتا ہے کہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دروازہ کھلنے کا سبب بنا دیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی آ کر سلام کیا۔ لیکن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا جب ان سے کہا گیا تو انہوں نے سوچا کہ میں اس کے بارے میں کوئی اور حل کیوں نہ کروں۔ چنانچہ وہ خود دروازے پر جانے کی بجائے اپنے گھر تشریف لے گئے اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تین دن سے ایسی کیفیت ہے کہ آپ ﷺ حجرے کی تنہائی میں ہیں، جب مسجد میں تشریف لاتے ہیں تو چہرۂ انور پر غم کے آثار ہوتے ہیں، آنکھیں آبدیدہ محسوس ہوتی ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کسی سے کلام بھی نہیں فرماتے، لہٰذا آپ جائیں اور دروازہ کھٹکھٹائیں، ہوسکتا ہے کہ آپ کی وجہ سے دروازہ کھول دیا جائے۔ چنانچہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ

عنہا تشریف لائیں اور انہوں نے بھی آ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کیا۔ بالآخر محبوب ﷺ نے ان کی آواز پر دروازہ کھولا اور اپنی بیٹی کو اندر بلا لیا۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے پوچھا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! آپ پر یہ کیا کیفیت ہے کہ تین دن سے آپ مجلس میں بھی تشریف فرما نہیں ہوتے، حجرے کی تنہائی کو اختیار کیا ہوا ہے اور چہرۂ انور پر بھی غم کے آثار ہیں۔ اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ پوری بات بتائی کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے آ کر بتایا کہ میری امت کے کچھ گنہگار لوگ جہنم میں جائیں گے، فاطمہ! مجھے اپنی امت کے ان گنہگاروں کا غم ہے اور میں اپنے مالک سے فریاد کر رہا ہوں کہ وہ ان کو جہنم کی آگ سے بری فرما دے۔ یہ کہہ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر لمبا سجدہ فرمایا حتیٰ کہ اس سجدے کے اندر بھی روتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ آ گیا کہ اے محبوب! وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا عطا کر دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے لہٰذا وہ قیامت کے دن مجھے راضی کرے گا اور میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا آخری امتی بھی جنت میں نہیں چلا جائے گا۔ اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لائے۔

روزِ محشر اولادِ آدم علیہ السلام کی کسمپرسی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن سورج دس گنا زیادہ تیز ہوگا اور ہر آدمی کو یوں محسوس ہوگا کہ سورج زمین سے چند گز کے فاصلے پر ہے۔ دھوپ کی سختی کی وجہ سے لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ سات قسم کے آدمیوں کو عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مخلوق

دھوپ اور پیاس کی وجہ سے تڑپ رہی ہوگی اور کوئی پرسان حال نہیں ہوگا اسی حالت میں کئی ہزار سال گزر جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

بالآخر سب لوگ پریشان ہو کر حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوں گے اور کہیں گے یا ابانا قدم معنا اے ہمارے ابا جان! آپ ہمارے ساتھ آگے قدم بڑھائیے اور اللہ کے حضور عرض کیجئے کہ اے اللہ! اس سختی کو برداشت کرنا مشکل ہے آپ ہم سے حساب لے لیجئے تا کہ ہم نے جہاں جانا ہے وہاں جلدی پہنچ جائیں۔ یہ تنگی تو ہماری برداشت سے باہر ہے، مگر حضرت آدم علیہ السلام اس وقت یہ کہتے ہوئے انکار فرمادیں گے کہ نہیں، میں نے بھول کی وجہ سے ایک دانہ کھالیا تھا اور اس دانہ کے کھانے پر میں تین سو سال تک رو رو کر معافیاں مانگتا رہا،...... حدیث پاک میں آیا ہے کہ پورے انسانوں کے جتنے آنسو ہیں وہ سارے کے سارے دسواں حصہ ہیں اور نو حصے آنسو حضرت آدم علیہ السلام کے ان تین سو سالوں میں نکلے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اتنا روئے اور معافیاں مانگنے کے بعد اور توبہ قبول ہو جانے کے بعد بالآخر انہوں نے بیت اللہ شریف بنایا، اور تین حج پیدل چل کر کیے۔ مگر قیامت کے دن وہ پھر بھی فرمائیں گے کہ نہیں، مجھے اللہ رب العزت کے سامنے جانے میں شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ غور کیجئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت کا بھی فیصلہ آچکا ہے۔ لیکن بندہ اپنے کیے پر پشیمان تو ہوتا ہے۔ جب قیامت کے دن ہمارے جد امجد کا یہ حال ہوگا تو ہم لوگ جب اپنے گناہوں کو لے کر جائیں گے اور بغیر توبہ کے مر جائیں گے تو ہمارے لئے قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے کھڑا ہونا کتنا مشکل ہوگا۔ اسی لئے قرآن مجید میں آتا ہے وَلَوْ تَرٰى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ

رَبِّهِمْ کہ اگر آپ اس منظر کو دیکھیں، جس دن مجرم اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو شرم کی وجہ سے ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے۔ جب قیامت کے دن اتنی شرم محسوس ہوگی تو بہتر ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے آج ہی توبہ کرلیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کو کہیں گے کہ آپ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس چلے جائیں۔ لہٰذا ساری مخلوق حضرت نوح علیہ السلام کی تلاش میں لگ جائے گی۔ جب حضرت نوح علیہ السلام ملیں گے تو مخلوق عرض کرے گی۔ اے آدم ثانی! آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کر دیجئے اور ہمیں اللہ کے سامنے پیش کر دیجئے۔ حضرت نوح علیہ السلام ان کو فرمائیں گے کہ نہیں، میں نے اپنے بیٹے کے لئے ایک دعا کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اِنِّی اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ اے نوح! ایسی دعا نہ کیجئے کہ کہیں آپ کو مرتبہ نبوت سے اتار نہ دیا جائے۔ اس لئے مجھے تو اس فرمان سے ڈر لگتا ہے کہ میں وہ دعا ہی کیوں کر بیٹھا، میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور فوراً معافی مانگی تھی، لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش نہیں ہو سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا اصل نام عبدالغفار تھا مگر وہ اس دعا کے مانگنے کے بعد اتنا روئے کہ ان کا نام نوح پڑ گیا۔ نوح کا مطلب ہے نوحہ کرنے والا یعنی رونے والا۔ اتنا رونے کے باوجود قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے جانے سے جب ان کو بھی اتنا ڈر لگے گا تو سوچنا چاہئے کہ ہم تو اپنے گناہوں پہ روتے بھی نہیں بلکہ جب گناہ کرتے ہیں تو خوشی خوشی دوسروں کو بتاتے ہیں کہ میں نے فلاں گناہ کیا ہے۔ سوچئے تو سہی کہ قیامت کے دن ہم اللہ تعالیٰ کے حضور کیسے پیش ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

حضرت نوح علیہ السلام سب انسانوں کو فرمائیں گے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جائیں۔ ساری انسانیت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ڈھونڈ کر ان سے عرض کرے گی کہ اے اللہ تعالیٰ کے خلیل! آپ ہمیں اللہ رب العزت کے حضور پیش کر دیجئے۔ لیکن وہ فرمائیں گے کہ نہیں آج مجھے اللہ رب العزت کے پاس جاتے ہوئے گھبراہٹ ہو رہی ہے کیونکہ میری زندگی میں تین باتیں ایسی تھیں جو مصلحت کی بنا پر تو ہوئیں لیکن خلاف واقعہ تھیں، آج مجھے ان تین باتوں پر شرمندگی ہے۔ ان میں سے پہلی بات یہ تھی کہ ایک مرتبہ ان کو ان کی قوم کہیں لے کر جانا چاہتی تھی مگر انہوں نے کہہ دیا تھا کہ میں بیمار ہوں۔ واقعی ان کافروں اور مشرکوں کے ساتھ جانے میں تو روحانی بیماری ہی تھی۔ اس لئے انہوں نے ان کو عذر پیش کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ انہوں نے فرمایا تھا فقال انی سقیم کہ میں بیمار ہوں۔ انہوں نے یہاں بیماری کا عذر تو کیا لیکن واقعہ کے خلاف تھا۔ اس لئے فرمائیں گے کہ مجھے اللہ رب العزت کے سامنے حاضر ہونے سے شرم محسوس ہو رہی ہے۔

دوسری بات یہ کہ ایک مرتبہ وہ اپنی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے کر مصر کے قریب سے گزرے۔ وقت کا بادشاہ ایک ظالم انسان تھا۔ اس نے پولیس والوں کو کہا ہوا تھا کہ تم جہاں کہیں بھی کسی خوبصورت عورت کو دیکھو تو اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ اس طرح وہ اس کی بے حرمتی کر کے گناہ کا مرتکب ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کو حسن و جمال کا مرقع بنایا تھا۔ چنانچہ پولیس والوں نے جب ان کو دیکھا تو انہیں بھی پکڑ کر لے گئے۔ اس کا دستور یہ تھا کہ اگر اس عورت کے ساتھ اس کا شوہر ہوتا تو وہ اسے قتل کروا دیتا اور اگر بھائی یا والد ہوتا تو پھر وہ ان کو قتل نہیں کرواتا تھا البتہ برائی کا مرتکب ہوتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پہنچے تو ان سے بھی اس نے

پوچھا کہ تم کون ہو اور اس عورت کے کیا لگتے ہو؟ آپ نے اپنی جان کی حفاظت کے پیش نظر کہہ دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں انما المومنون اخوۃ کہ بیشک ایمان والے بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے ایمان کی نسبت سے مومن مرد اور مومنہ عورت کو دینی بھائی اور بہن کہہ دیا جاتا ہے۔ آپ نے بھی اسی نسبت سے حضرت سارہ ؓ کو بہن کہہ دیا، کیونکہ وہ اسی دین پر تھی جس پر آپ تھے۔ یہ بات سو فیصد شریعت کے مطابق جائز تھی۔ جان بچانے کے لئے تو حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے مگر اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھجک محسوس ہوگی۔

تیسری بات یہ کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا تھا جب کافروں نے آ کر ان سے پوچھا کہ ہمارے اصنام کو کس نے توڑا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ تم اس سے پوچھو جو تمہیں ان بتوں میں سے بڑا نظر آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر کلہاڑا سب سے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تھا اس لئے بڑے بت سے پوچھنے کا فرمایا۔ اب ظاہراً یہ کوئی اتنی بری بات تو نہیں تھی، کافروں کو سمجھانے کے لئے ایسا کیا تھا کہ وہ پوچھیں گے تو بت انہیں جواب نہیں دیں گے لیکن بات تو حقیقت سے مختلف تھی۔ لہٰذا اس بات پر بھی اتنا افسوس ہوگا کہ اللہ کا خلیل ہونے کے باوجود انہیں اللہ کے سامنے جاتے ہوئے شرمندگی محسوس ہو رہی ہوگی۔

اس پر ہم لوگ سوچیں جو دن رات جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں، لوگوں کے سامنے اپنی غلطیوں پر پردے ڈالنے کے لئے اور اپنے آپ کو دنیا کی شرمندگی سے بچانے کے لئے جھوٹی باتیں کرتے پھر رہے ہیں۔ قیامت کے دن ہمیں اللہ رب العزت کے حضور جاتے ہوئے کتنی شرمندگی ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ آپ سب لوگ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے

پاس چلے جائیں وہ آپ کی شفاعت کریں گے۔ چنانچہ ساری انسانیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے گی اور کہے گی، اے کلیم اللہ! آپ ہماری شفاعت فرما دیجئے۔ مگر حضرت موسیٰ کلیم اللہ فرمائیں گے کہ نہیں، میں آپ کی شفاعت کرنے سے قاصر ہوں کیونکہ ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ میرے مخالفین میں سے ایک آدمی میری اتباع کرنے والے ایک آدمی سے جھگڑ رہا تھا اور میں نے نصیحت کی خاطر اس کو ایک مکا مارا تھا تا کہ اسے سمجھ آ جائے لیکن اس کو وہ مکا ایسا لگا کہ وہ مر گیا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ نے میری معافی کا اعلان بھی فرما دیا مگر پھر بھی وہ میرا مکا لگنے سے مرا تو تھا اس لئے مجھے اس بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتے ہوئے آج شرم محسوس ہو رہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں درخواست:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ساری انسانیت کو فرمائیں گے کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جائیں۔ ساری انسانیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے گی مگر وہ بھی کہیں گے کہ نہیں مجھے اللہ رب العزت کے سامنے جاتے ہوئے اس لئے ڈر لگ رہا ہے کہ میری امت نے مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیا تھا، آج اللہ تعالیٰ مجھ سے کہیں یہ نہ پوچھ لیں کہ کیا آپ نے تو نہیں کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ شریک بنا لو۔ اس لئے آج مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔

شافع محشر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں درخواست:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پاس جائیں۔ چنانچہ سب لوگ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں

گے۔ترغیب وترہیب میں حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام کے منبر لگوائیں گے اور تمام انبیائے کرام اپنے اپنے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے بھی منبر پیش کیا جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ منبر پر نہیں بیٹھیں گے کیونکہ اس وقت آپ ﷺ کے دل میں یہ خیال ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس منبر کے اوپر بیٹھ جاؤں اور یہ اڑ کر جنت میں چلا جائے اور میری امت کے گنہگار پیچھے رہ جائیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا جائے گا، اے میرے محبوب ﷺ! آپ منبر پر کیوں نہیں بیٹھے؟ آپ ﷺ عرض کریں گے، اے اللہ! میری امت کے گنہگاروں کا تو ابھی فیصلہ نہیں ہوا میں اس منبر پر ابھی کیسے بیٹھوں۔پھر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر ایک خاص تجلی فرمائیں گے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس تجلی فرمانے پر اللہ تعالیٰ مجھے ''مقام محمود'' عطا فرما دیں گے۔میں وہاں جا کر ایک سجدہ کروں گا اور اس سجدے میں اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفیں کروں گا جو نہ پہلے کسی نے کیں اور نہ بعد میں کوئی کرے گا۔رونے کی حالت میں سجدہ کروں گا، اللہ رب العزت میرے اس سجدے کو قبول فرمائیں گے اور مجھ سے پوچھیں گے، اے میرے پیارے محبوب ﷺ! آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں عرض کروں گا، اے اللہ! آپ اپنے بندوں کا حساب لے لیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اچھا تم لوگوں کو حساب کے لئے پیش کرو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حساب کتاب:

روایت میں آیا ہے کہ جب اجازت مل جائے گی تو اس وقت نبی علیہ الصلوۃ والسلام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہاتھ سے پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنا چاہیں گے کہ آپ جائیے تاکہ حساب کتاب شروع ہو جائے۔یہ سن کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کی آنکھوں میں سے آنسو آ جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں اپنی عمر کے آخری حصے میں مسلمان ہوا تھا، میری عمر کا زیادہ حصہ اسلام سے پہلے کا ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں آگے نہ پیش کیا جاؤں۔ مگر اللہ کے محبوب ﷺ فرمائیں گے، ابوبکر! تجھے آگے جانا ہوگا۔ چنانچہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھیں گے تو وہ وہی کام کریں گے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ وہ بھی آگے قدم بڑھا کر اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں گے اور رونے لگ جائیں گے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اتنا روئیں گے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے میرے محبوب ﷺ کے یار غار! کیوں روتے ہو؟ سجدے سے سر اٹھاؤ کیا چاہتے ہو؟ چنانچہ اللہ رب العزت ان کے سجدے کو قبول فرمائیں گے اور ان پر ایک خاص تجلی فرمائیں گے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ان الله يتجلى للخلق عامة و لكن لابي بكر خاصة قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر عام تجلی فرمائے گا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اوپر خاص تجلی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے اس یار سے اتنے خوش ہو جائیں گے کہ خاص تجلی فرمائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیشی:

ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جائے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے السلام عليك يا عمر! اے عمرؓ! تجھ پر سلامتی ہو۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ اول من يسلم عليه رب عمر قیامت کے دن جس پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سلام فرمائیں گے وہ عمر ہوں گے۔ انہوں نے ایسی صاف ستھری زندگی گزاری ہوگی کہ ان کے اعمال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حساب کتاب:

پھر ان کے بعد اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پیش کریں گے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اللہ رب العزت کے حضور پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کا حساب بہت ہی جلدی لے لیں گے۔ وہ اس لئے کہ ایک مرتبہ عید کا دن تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عید کی نماز کے لئے تشریف لے جانے لگے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب ﷺ! کچھ دے دیجئے تاکہ ہم کچھ پکالیں، مدینہ کی بیوائیں اور یتیم بچے امید لے کر آئیں گے، میں ان کو کچھ دے سکوں گی۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے۔

جب واپس آئے تو دیکھا کہ گھر میں سب کچھ پکا ہوا ہے اور مدینہ کی بیوائیں اور یتیم لے لے کر جا رہے ہیں۔ محبوب ﷺ نے پوچھا، یہ کہاں سے آیا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ جب آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لے گئے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سامان سے لدا ہوا ایک ایک اونٹ آپ کی سب ازواج کو ہدیہ کے طور پر بھیجا ہے۔ یہ سن کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل اتنا خوش ہوا کہ آپ ﷺ نے دعا مانگی **یا رحمٰن سھل الحساب علی العثمان** اے رحمٰن! تو عثمان رضی اللہ عنہ کا حساب آسان فرما دینا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا قبول ہوگی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حساب کتاب بہت جلدی لے لیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حساب کتاب:

ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا جائے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ **اسرع المحاسبة یوم القیامة حساب علی** کہ

قیامت کے دن سب سے آسان اور جلدی حساب علی ﷺ کا لیا جائے گا۔

پل صراط کا سفر:

جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے چاروں یار پیش ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کا جلال اس کے جمال میں تبدیل ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ اے مجرمو! میرے نیک بندوں سے آج جدا ہو جاؤ۔ لہذا کافروں اور مشرکوں کو ایک طرف کر دیا جائے گا اور دوسری طرف نیک بندوں کو کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جہنم کے اوپر بنی ہوئی پل صراط سے گزر کر یہ نیک لوگ جنت میں چلے جائیں۔ چنانچہ جب مومن بندے پل صراط کے اوپر سے گزرنے لگیں گے تو کچھ ایمان والے ایسے بندے ہوں گے جو بجلی کی تیزی سے گزر جائیں گے، کچھ ہوا کی تیزی سے، کچھ گھوڑے کی تیز رفتاری کے ساتھ، کچھ بھاگتے ہوئے آدمی کی رفتار کے ساتھ، کچھ چلتے ہوئے آدمی کی رفتار کے ساتھ اور کچھ رینگتے ہوئے آدمی کی رفتار کے ساتھ گزر جائیں گے۔ جو لوگ بھی پل صراط سے آگے گزر جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطا فرما دیں گے۔ پل صراط کے اوپر سے ہر ایک کو گزرنا پڑے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا جو گنہگار ہوں گے وہ کٹ کٹ کر جہنم کے اندر گرتے جائیں گے۔

نبی اکرم ﷺ کا جنت میں داخلہ:

جب پل صراط سے آگے چلے جائیں گے تو اللہ کے محبوب ﷺ یہ سمجھیں گے کہ میری امت کے سارے لوگ میرے ساتھ آ گئے ہیں اور جہنم سے پار ہو چکے

ہیں۔ لہٰذا آپ ان سب لوگوں کو لے کر جنت میں تشریف لے جائیں گے حتیٰ کہ جنت میں رہتے ہوئے بہت عرصہ گزر جائے گا۔

مسلمانوں کو جہنم میں کفار کا طعنہ:

روایت میں آیا ہے کہ جو لوگ پل صراط سے گزرتے ہوئے جہنم میں گریں گے انہیں عذاب ہوگا۔ جہنم کے سب سے اوپر کے درجے میں ایمان والے گنہگار ہوں گے جب بہت عرصہ گزر جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ان کے اور کافروں مشرکوں کے درمیان کی آگ کو شیشے کی مانند بنا دیں گے۔ کافر اور مشرک جب مسلمان گنہگاروں کو دیکھیں گے کہ وہ بھی جہنم کی آگ میں جل رہے ہیں تو وہ مسلمانوں کو طعنہ دیں گے کہ ہم نے تو اللہ تعالیٰ کا انکار کیا جس کی وجہ سے ہم جل رہے ہیں لیکن آپ تو خدا کو مانتے تھے، رسول ﷺ کو مانتے تھے اور اس کے باوجود آپ بھی ہماری طرح جل رہے ہو، آپ کا خدا آپ کے کس کام آیا؟

جہنمی مسلمانوں سے جبرئیل امین کی ملاقات:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب جہنمی کافر مسلمان گنہگاروں کو طعنہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو بلائیں گے اور فرمائیں گے کہ اے جبرئیل! آج ہمارے ماننے والوں کو طعنہ دیا جا رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو رہا ہے جو نہ ماننے والوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جاؤ ذرا جہنم سے حالات معلوم کر کے آؤ۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام جہنم میں جائیں گے، جہنم کے دروازے پر اس کے داروغہ مالک کھڑے ہوں گے، وہ دروازہ کھول کر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اندر داخل کریں گے۔ جب گنہگار مسلمان ان کو دیکھیں گے تو وہ فرشتوں سے پوچھیں گے کہ یہ کون ہیں؟ اس

وقت ان کو بتایا جائے گا کہ یہ وہ فرشتے ہیں جو تمہارے پیغمبر ﷺ کے پاس وحی لے کر جاتے تھے۔

شفیعِ اعظم کے نام گنہگاروں کا پیغام

جب ان کے پاس نبی رحمت ﷺ کا تذکرہ کیا جائے گا تو اس وقت گنہگار لوگوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یاد آئے گی۔ اور وہ کہیں گے وا محمداہ وا محمداہ جہنمی لوگ ان الفاظ میں جبرئیل ؑ کو رو کر کہیں گے کہ اے جبرئیل! آپ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اللہ کا پیغام لے کر جاتے تھے آج ہم گنہگاروں کا پیغام بھی ہمارے سردار ﷺ کو پہنچا دینا کہ آقا! آپ تو ہمیں بھول ہی گئے، ہم جہنم کی آگ میں جل رہے ہیں اور آپ ﷺ جنت کے اندر ہیں۔ جبرئیل ؑ ان کے ساتھ وعدہ کریں گے کہ میں آپ کا پیغام اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کو ضرور پہنچاؤں گا۔

شفاعت کبریٰ:

چنانچہ جب جبرئیل ؑ جہنم سے باہر آئیں گے تو اللہ رب العزت فرمائیں گے جبرئیل! آپ نے میرے محبوب ﷺ کے گنہگار امتیوں سے جو وعدہ کیا ہے، اس وعدے کو نبھانا ضروری ہے۔ لہٰذا جبرئیل ؑ جنت میں جائیں گے۔ اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت الفردوس میں انبیا کی مجلس میں منبر پر تشریف فرما ہوں گے۔ جبرئیل ؑ کو جب آپ ﷺ دیکھیں گے تو فرمائیں گے، جبرئیل! آج کیسے آنا ہوا؟ جبرئیل ؑ عرض کریں گے کہ میں آج آپ کی امت کے گنہگاروں کا پیغام آپ کے پاس لے کر آیا ہوں۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سنیں گے کہ

میری امت کے کچھ گنہگار ابھی بھی جہنم میں ہیں تو آپ ﷺ حیران ہوں گے کہ اچھا، مجھے تو خیال ہی نہیں تھا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی وقت اللہ رب العزت کے حضور سجدہ فرمائیں گے اور اللہ رب العزت کے سامنے کہیں گے، اے پروردگار! میری امت کے گنہگاروں کو معاف فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ''شفاعت کبریٰ'' کی اجازت فرمائیں گے کہ اے میرے محبوب ﷺ! آپ جس کے بارے میں چاہیں شفاعت فرمائیے، ہم اس کو جہنم سے نکال دیں گے۔

شفاعت کبریٰ کی یہ خوشخبری سن کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جہنم کی طرف چلیں گے۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام ایک اعلان کر دیں گے کہ اے جنتیو! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جہنیوں کی شفاعت کے لئے جا رہے ہیں، تم بھی ساتھ چلو۔ چنانچہ اس دولہے کے ساتھ شفاعت کرنے کے لئے ایک بارات چلے گی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام شفاعت فرمائیں گے، دیگر انبیائے کرام بھی شفاعت فرمائیں گے، سارے جنتی شفاعت فرمائیں گے، جس کا جو بھی واقف ہوگا ہر اس بندے کو جہنم سے نکال لیا جائے گا، حتیٰ کہ اگر کسی نے دنیا میں کسی مومن کو ایک پیالہ پانی پلایا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس عمل کی برکت سے اس کو بھی جہنم سے نکال لیں گے۔

عتقاء الرحمٰن:

جب سب لوگ شفاعت کر چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اے میرے پیارے محبوب ﷺ! میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کی امت کے تین لپ بھر کر جہنم سے نکالوں گا۔ چنانچہ اللہ رب العزت اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے جہنم سے تین لپ بھر کر نکالیں گے۔ یعنی جیسے آدمی دونوں ہاتھوں سے آٹا نکال

لیتا ہے اس لپ میں اس امت کے کھرب ہا کھرب لوگ ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جہنم سے نکال دیں گے۔

ان کے جسم جل جل کر کوئلے کی طرح کالے ہو چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو نہر حیات سے غسل دیا جائے۔ چنانچہ جب ان کو غسل دیا جائے گا تو ان کے جسم ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن ان کے ماتھے پر عتقاء الرحمٰن کا نام لکھ دیا جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ رحمٰن نے اپنی رحمت سے ان کی بخشش کر دی ہے۔ اس کے بعد ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ اب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا کوئی گنہگار بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ سب کے سب بخش دیئے جائیں گے۔

عتقاء الرحمٰن کی فریاد:

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جب یہ لوگ جنت میں زندگی گزارنے لگیں گے تو وہ جنتی جو پہلے سے جنت میں ہوں گے جب ان کو دیکھیں گے تو مذاق کیا کریں گے اور کہیں گے کہ دیکھو، ہم پر تو اللہ کی رحمت ہوگئی اور اس نے ہمارے عملوں کو قبول فرما لیا لیکن آپ لوگ تو رعایتی پاس ہیں، آپ کے ماتھے پر تو عتقاء الرحمٰن کا نام لکھا ہوا ہے، ان جنتیوں کے ساتھ پہلے والے جنتی اس طرح سے خوش مزاجی کریں گے۔ جن جنتیوں کے ماتھوں پر عتقاء الرحمٰن لکھا ہوگا ان کو یہ بات محسوس ہوگی لہٰذا ایک مرتبہ وہ سب جنتی اللہ رب العزت کے حضور دعا کریں گے کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں جہنم سے نجات تو دے دی لیکن ماتھے پر ایک مہر بھی لگا دی۔ جس کی وجہ سے سب پہچان رہے ہیں کہ ہم خود اس قابل نہیں تھے بلکہ رعایتی پاس ہو کر آ گئے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اس سے بچا لیجئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس فریاد کو قبول کریں گے اور

فرمائیں گے کہ ہم نے خود یہ مہر لگائی تھی تا کہ تمہارے اپنے دل میں یہ کیفیت پیدا ہو اور تم ہم سے مانگو اور ہم تمہیں عطا کر دیں۔ چنانچہ ان کی فریاد پر اللہ رب العزت ان کے ماتھوں سے عتقاء الرحمٰن کی اس مہر کو بھی ہٹا دیں گے۔

شفاعت کی دعا:

محترم جماعت! کاش کہ ہم بھی ان رعایتی پاس لوگوں میں قیامت کے دن شمار ہو جائیں۔ اپنے عمل تو اس قابل نہیں ہیں مگر اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے، دوسرے انبیاء کی شفاعت، اللہ کے نیک بندوں کی شفاعت نصیب ہو جائے، کاش کہ اللہ کا کوئی ایسا نیک بندہ ہو جو دنیا میں ہمیں بھی پہچاننے والا ہو۔ ہم بھی کسی کی پہچان میں آنے والے بن جائیں جو قیامت کے دن ہمیں جہنم میں جلتا دیکھے تو اتنا تو کہہ دے کہ اے اللہ! یہ مجھ سے تعلق رکھنے والا تھا، یہ میری عزت کرتا تھا اور میرے ساتھ رابطہ رکھنے والا تھا کاش کہ کوئی ایسا کہہ کر ہمیں بھی جہنم سے نکالنے والا بن جائے۔

رب کریم! سے دعا ہے کہ پروردگار عالم ہمیں اپنی رحمت سے قیامت کے دن ان رعایتی پاس لوگوں میں شامل فرمالے۔ ہمارے اپنے اعمال تو اس قابل نہیں البتہ اللہ رب العزت کی رحمت ہی کا سہارا ہے اور محبوب ﷺ کو جو اللہ رب العزت نے رحمۃ للعالمین بنا دیا، دل میں تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نبی رحمت ﷺ کے صدقے ہمیں شرمندہ ہونے والوں میں شامل نہ فرمائے بلکہ ہمیں اپنی رحمت میں سے حصہ پانے والوں میں شامل فرمادے۔ آمین ثم آمین

و اخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نورِ نسبت

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

اللہ تعالیٰ جب کسی کے سینے کو دین کیلئے کھول دیتے ہیں تو اسے نور سے بھر دیتے ہیں۔ اس بندے کیلئے شریعت مطہرہ پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے مکروہات شرعیہ اس کیلئے مکروہات طبعیہ بن جاتی ہیں۔ اس کی سوچ اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ اگر انسان اس پر محنت کرتا رہے تو وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ اپنی سوچ میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ نہیں کرتا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ۔
و قال اللہ تعالیٰ فی مقام اخر
اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَ جَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ ۔
و قال اللہ تعالیٰ فی مقام اخر
وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ ۔
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

نور اور ظلمت کا مفہوم:

''نور'' عربی زبان کا ایک لفظ ہے۔ جس کا مطلب ''روشنی'' ہے۔ اس کے بالمقابل ''ظلمت'' کا لفظ آتا ہے۔ جس کا مطلب ''اندھیرا'' ہے۔ جب بھی کوئی بندہ کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو اس عمل کی وجہ سے اس کے سینے کے اندر روشنی آتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی مومن نیک اعمال کرتا ہے تو ہر ہر نیک عمل کے بدلے اس کے سینے میں روشنی آتی ہے۔ اس کے بالمقابل جب بھی کوئی آدمی گناہ کرتا ہے تو اس

کے دل پر اس عمل کی وجہ سے سیاہ داغ لگ جاتا ہے اگر انسان توبہ کر لے تو داغ مٹ جاتا ہے اور اگر گناہوں پہ گناہ کرتا رہے تو داغوں پہ داغ لگتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں روشنی کے لئے نور کا لفظ استعمال ہوا ہے جب کہ اندھیرے کے لئے ظلمت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

نورانی اور تاریک سینے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَ مَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ اس آیت کی رو سے جس طرح بینا اور نابینا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح اندھیرا اور روشنی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا جس انسان کے سینے کے اندر نور اور جس انسان کے سینے کے اندر ظلمت ہو، وہ دونوں بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔

مکروہات شرعیہ کا مکروہات طبعیہ بننا:

اللہ تعالیٰ جب کسی کے سینے کو دین کے لئے کھول دیتے ہیں تو اسے نور سے بھر دیتے ہیں۔ النور اذا دخل الصدر انفتح کہ جب نور سینے میں داخل ہوتا ہے تو سینے کو کھول دیتا ہے۔ اس بندے کے لئے شریعت مطہرہ پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ مکروہات شرعیہ اس کے لئے مکروہات طبعیہ بن جاتی ہیں۔ اس کی سوچ اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ اگر انسان اس پر محنت کرتا رہے تو وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں وہ اپنی سوچ میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ نہیں کرتا۔

کبیرہ گناہ سے پاک شخصیت:

جب دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان فرمایا کہ آج میں اس دارالعلوم کا سنگ بنیاد ایک

ایسی شخصیت سے رکھواؤں کا جس نے کبیرہ گناہ تو کیا کرنا کبھی کبیرہ گناہ کرنے کا دل میں ارادہ ہی نہیں کیا۔

رزق حلال کے انوارات:

حضرت مولانا اصغر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں شاہ حسین احمد" منے شاہ" کے نام سے مشہور تھے۔ دیکھنے میں ان کا قد چھوٹا تھا لیکن اللہ رب العزت کے ہاں ان کا قد بہت بڑا تھا۔ ان کی زندگی اقتصادی لحاظ سے بہت معمولی سی تھی۔ وہ گھاس کاٹ کر بیچتے تھے اور روزانہ تھوڑے تھوڑے پیسے بچاتے رہتے۔ حتیٰ کہ پورے سال میں اتنے پیسے بچ جاتے کہ وہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کی دعوت کرتے تھے۔ اساتذہ فرماتے تھے کہ ہم سارا سال ان کی دعوت کے منتظر رہتے کیونکہ ہم جس دن ان کے گھر سے کھانا کھا لیتے اس کے بعد چالیس دن تک ہماری نماز کی حضوری کے اندر اضافہ ہو جاتا تھا۔ سبحان اللہ، اتنا حلال اور پاکیزہ مال تھا۔

نور بھرے سینے کی برکات:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے کہ اس امت میں ایسے ایسے پرہیزگار اولیاء گزرے ہیں کہ انہیں بیس سال تک گناہ لکھنے والے فرشتوں کو ان کا گناہ لکھنے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ سبحان اللہ، یہ نور بھرے سینے کی برکات ہیں۔

نور سے محروم لوگوں کی کسمپرسی:

قیامت کے دن یہی نور انسان کے سامنے ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ اس دن ان کا نور ان کے سامنے اور دائیں طرف ہوگا اور وہ اس نور کی روشنی میں

قدم بڑھا رہے ہوں گے۔ منافقین بھی اس وقت قریب ہوں گے اور ایمان والوں سے کہیں گے اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ذرا ہماری طرف بھی توجہ کیجئے تا کہ ہم بھی آپ کے نور سے فائدہ اٹھالیں۔ راستے پر چلتے ہوئے اگر ایک آدمی کے پاس ٹارچ ہو تو دوسرے اس سے کہتے ہیں کہ ذرا روشنی اس طرف کرنا تا کہ ہمیں بھی راستہ نظر آ جائے۔ وہاں بھی ہو بہو یہی حال ہوگا۔ لیکن قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا انہیں کہا جائے گا تم واپس دنیا میں جاؤ، یہ نور تو اس منڈی سے ملا کرتا تھا، تمہیں یہ نور وہاں سے لے کر آنا چاہئے تھا۔

نور حاصل کرنے کی منڈی:

میرے دوستو! یہ دنیا نور حاصل کرنے کی منڈی ہے اس لئے یہاں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کیجئے۔ سچ بولئے، سچ کی زندگی گزاریئے، نماز پڑھئے، تلاوت کیجئے، اخلاق حمیدہ کو اپنا لیجئے اور ہر کام شریعت وسنت کے مطابق کیجئے، اس طرح ہر دن سینے کے نور میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ مثال کے طور پر ایک زیرو واٹ کا بلب بھی ہوتا ہے، پانچ اور دس واٹ کا بھی ہوتا ہے، سو، دوسو، پانچ سو اور ہزار واٹ کا بلب بھی ہوتا ہے۔ پاور بڑھتی چلی جاتی ہے تو روشنی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ بات سمجھئے کہ جس نے کلمہ پڑھ لیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ روشنی عطا فرما دی۔ اب یہ شخص نیک اعمال میں جتنا بڑھتا چلا جائے گا اسی قدر اس کے ایمان کی پاور میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

شگفتہ چہروں کا راز:

اللہ والے اپنے ایمان کو اتنا مضبوط کر لیتے ہیں کہ ان کے سینے روشن ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو روشن کر دیتا ہے۔ ان کے چہرے اَلَّذِيْنَ إِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ کے مصداق بن جاتے ہیں۔ دیکھنے والے جب ان کے شگفتہ

چہرے کو دیکھتے ہیں تو ان کو اللہ یاد آجاتا ہے۔ ان کے چہروں پر بہار کی سی رونقیں نظر آتی ہیں۔ ان کے سینے کا نور ان کے چہرے پر عکس ڈالتا ہے۔ اجنبی لوگوں کو بھی بتانے اور تعارف کرانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی ؒ کی مقبولیت:

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ٹرین پر سفر کرتے اور کسی اسٹیشن پر ٹرین رکتی اور وہ معلوم کرنا چاہتے کہ یہ کونسا اسٹیشن ہے تو گاڑی کی کھڑکی میں سے ذرا سا جھانک کر باہر دیکھتے تو پلیٹ فارم پر جو انجان لوگ آ جا رہے ہوتے تھے وہ ان کا چہرہ دیکھ کر ان سے ملتے اور ان سے باتیں کرنا شروع کر دیتے تھے۔ ناواقف لوگ ہوتے تھے مگر چہرے کو دیکھ کر ان کی مسیحائی کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ کوئی کلام کیے بغیر لوگ آتے اور سلام کرنے کے بعد کہتے کہ حضرت! میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ سبحان اللہ

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

اسلام قبول کرنے کی عجیب وجہ:

کچھ ہندوؤں نے حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ دوسرے ہندوؤں نے انہیں کہا کہ تم کیسے نکلے اپنے آباؤ اجداد کے راستے سے ہٹ کر مسلمان بن گئے۔ انہوں نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگے کہ ذرا اس شخص کے چہرے کو دیکھو، یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نظر نہیں آتا۔

جنگل میں منگل:

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اس عاجز سے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے میرا یہ حال کر دیا ہے کہ میں جنگل میں جا کر بھی بیٹھ جاؤں تو اللہ تعالیٰ وہاں بھی منگل بنا دے۔ اور پھر پنجابی میں ایک بات کہی، فرمانے لگے "ہن تے میڈی پٹھیاں وی سدھیاں تھی ویندیاں ہن" یعنی اب تو اگر الٹا قدم بھی اٹھالوں تو اللہ تعالیٰ الٹے کو بھی سیدھا کر دیا کرتے ہیں اور واقعی ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو پورا کر دیتے ہیں۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کا مقام عبودیت:

ایک دفعہ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ پتہ نہیں کہ اس عاجز کے دل میں کیا بات آئی کہ عرض کیا کہ حضرت! آپ کو گھر سے تشریف لائے ہوئے کافی وقت ہو گیا ہے آپ وضو تازہ کرنے کے لئے تشریف لے جائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کر دیکھا اور گھر تشریف لے گئے۔ اگلے دن بیٹھے ہوئے تھے پتہ نہیں کیا بات ہوئی کہ اس عاجز نے عرض کیا، حضرت! کافی وقت ہو گیا ہے، آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا، آپ کھانا کھا لیجئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پھر مسکرا پڑے اور گھر تشریف لے گئے۔ تیسرے دن پھر کوئی ایسی بات ہو گئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ مجھے فرمانے لگے کہ دیکھو! ایک ایسا وقت آتا ہے کہ بندے کے دل میں کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مخلوق کے سامنے زبان سے سوال بھی نہیں کرنے دیتے بلکہ مخلوق کے دل میں ڈال دیتے ہیں اور وہ خود ان کو کہتے ہیں کہ آپ ہماری اس چیز کو قبول فرما لیجئے۔ پھر فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا وقت دے دیا ہے کہ اب مجھے مخلوق کے سامنے کسی چیز کو کہنے کی

ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ سبحان اللہ، اللہ رب العزت سے مانگتے مانگتے بندے پہ ایک ایسا وقت آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو مخلوق سے مانگنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ فرماتے ہیں کہ جس کا سر کبھی کسی غیر کے سامنے نہیں جھکا میں اپنے اس بندے کا ہاتھ کسی غیر کے سامنے کیسے پھیلنے دوں۔ سبحان اللہ۔

پانچ قسم کا نور:

قیامت کے دن نیکیوں کا نور انسان کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ یہ نور پانچ قسم کا ہوگا۔ یوں سمجھئے کہ ایک کمرہ نور سے بھرا ہوا ہے اور مختلف جگہ پر بلب لگے ہوئے ہیں۔ اسی طرح روز محشر انسان کے پانچ طرف نور رہوگا۔ علماء نے لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا نور اپنے خاص رنگ اور شان کے ساتھ انسان کے آگے ہوگا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے ٹیوب لائٹ کی بھی روشنی ہوتی ہے اور بلب کی بھی روشنی ہوتی ہے۔ پھر بلبوں میں کچھ پیلی روشنی کے بھی بلب ہوتی ہیں۔ روشنی تو سب میں ہے مگر ہر ایک کی اپنی شان ہے اور اپنا رنگ ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن مختلف اعمال کا نور مختلف رنگ کا ہوگا۔ اللہ اکبر کا جتنا ورد کیا ہوگا اس کا نور اس کی دائیں طرف ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اکبر میں اللہ کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔ اب عظمت کا تقاضا ہے کہ یہ نور انسان کے دائیں طرف آئے۔ اس لئے کہ دائیں طرف کمال کی نشانی ہوتی ہے۔ سبحان اللہ، کا نور انسان کی بائیں جانب ہوگا۔ اس لئے کہ سبحان اللہ میں تنزیہہ ہے اور بائیں طرف عیب سے پاک ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سبحان اللہ کے نور کو انسان کی بائیں طرف کر دیں گے۔ الحمد للہ کے ورد کا نور انسان کے پیچھے ہوگا اور یہ بندے کی قیامت کے دن پشت پناہی کر رہا ہوگا۔ اور ایمان کا نور انسان کے سر کے اوپر ہوگا اور یہ بندہ ان نوارات کی روشنی میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوگا۔ اور اسے کہا جائے گا

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ (اے اطمینان پانے والی جان! لوٹ اپنے رب کی طرف) فرشتے اس کو اس روشنی کے ساتھ جنت کے اندر لے جائیں گے۔

نور نسبت کا ادراک:

ذکر کرنے والے بندے کی ذات میں اللہ تعالیٰ ذکر کی تاثیر رکھ دیتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ اگر کوئی لطیف طبیعت والا آدمی کسی سگریٹ پینے والے کے قریب سے گزر جائے تو اس فوراً ادراک ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی سگریٹ پینے والا ہے۔ اگر سگریٹ پینے والے بندے کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کا احساس ہو جاتا ہے تو اسی طرح نور نسبت کی ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ قریب سے گزرنے والے بندے کو بھی اس کا ادراک ہو جاتا ہے۔

ایک خاتون کا قبول اسلام:

ایک مرتبہ ہم امریکہ میں نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے۔ سامنے مین روڈ تھا۔ ہم دو آدمی آپس میں بات چیت کر رہے تھے سامنے سڑک پر ایک خاتون تیزی کے ساتھ کار چلاتی ہوئی گزری۔ لیکن چند میٹر آگے جا کر اس نے بریک لگا دی۔ اس نے گاڑی موڑی اور ایک دومنٹ میں اس نے ہمارے قریب آ کر گاڑی کھڑی کر دی۔ وہاں پر عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جس منزل پر جا رہا ہو اس کے پاس اس کا پورا ایڈریس نہ ہو تو اسے پوچھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ ہم نے سوچا کہ ممکن ہے کہ یہ امریکن عورت راستہ بھول گئی ہو اور ہم سے کوئی پتہ معلوم کرنا چاہتی ہو۔

اس عاجز نے اپنے ساتھ والے دوست سے کہا کہ آپ جائیں اور اس سے پوچھیں کہ کیا آپ کو ڈائریکشن کی ضرورت ہے؟ جب اس نے جا کر پوچھا تو وہ کہنے لگی، نہیں، میں تو اپنے گھر جا رہی ہوں اور گھر کی ڈائریکشن تو ہر ایک کو آتی ہے۔ ہمیں کیا پتہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے گھر کی بجائے اصلی گھر کا راستہ دکھانا چاہتے

تھے۔ اس نے جب کہا کہ میں اپنے گھر جا رہی ہوں تو ہمارے دوست نے پوچھا کہ پھر آپ نے یہاں کیوں بریک لگائی؟

اس کے جواب میں وہ کہنے لگی کہ یہ بندہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بندہ مسلمان ہے۔ وہ کہنے لگی کہ اس سے پوچھو کہ کیا یہ مجھے بھی مسلمان بنا سکتے ہیں۔ نہ نام کا پتہ اور نہ ہی ایڈریس کا پتہ، فقط نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سنتوں کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایسی تاثیر ڈال دی کہ وہیں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ اس عاجز نے اسے اپنا رومال دے دیا جس کو اس نے اپنا دوپٹہ بنا لیا اور پھر اپنے گھر کو روانہ ہو گئی۔ سبحان اللہ۔

دین اسلام کی جاذبیت :

اللہ تعالیٰ ایسے بھی ہدایت کا نور عطا فرما دیتے ہیں کہ بندے صرف شکل دیکھ لیتے ہیں اور کلمہ پڑھ کر اسلام کے دامن میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس میں کسی کا کمال نہیں بلکہ اس میں سنت کا کمال ہے۔ یہ جاذبیت اس دین کے اندر ہے کہ اس دین کو جب کوئی مجسم حالت میں دیکھتا ہے تو وہ خود بخود اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔

نسبت کی برکتیں

نسبت کی برکتیں بڑی عجیب ہیں۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

مسجد کی عظمت:

دیکھئے، زمین تو سب کی سب اللہ تعالیٰ نے بنائی لیکن پوری زمین کو اللہ تعالیٰ

نے جنت میں داخل کرنے کا وعدہ نہیں فرمایا۔ البتہ زمین کا وہ ٹکڑا جسے ہم مسجد بنا دیں، وہ اللہ کا گھر بن جائے، زمین کے اس ٹکڑے کو اللہ کے نام کے ساتھ نسبت ہو جائے تو علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن دنیا کی تمام مسجدوں کو بیت اللہ میں شامل کر کے بیت اللہ کو جنت کا حصہ بنا دیا جائے گا۔ حالانکہ یہ وہی زمین تھی جس پر مسجد بننے سے پہلے لوگ جوتوں سمیت گزرتے تھے اور جانور گزرتے ہوئے پیشاب، پاخانہ کر دیتے تھے۔ مگر اللہ کے نام کے ساتھ نسبت مل جانے کی وجہ سے اس کی عظمت بڑھ گئی۔ آخرت میں یہ جنت کا حصہ بن جائے گی۔

ایک درخت سے جنت کا وعدہ:

استوانہ حنانہ ایک درخت ہے۔ اس کو نبی علیہ السلام کے ساتھ محبت تھی۔ اس وجہ سے چونکہ اس درخت کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نسبت ہو گئی تھی اس لئے اس کے ساتھ جنت کا وعدہ کر دیا گیا۔

کتے کا جنت میں داخلہ:

اصحاب کہف کے ساتھ ایک کتا چل پڑا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے انسانی شکل عطا کریں گے اور جنت عطا فرما دیں گے۔ نیکوں کے ساتھ نسبت حاصل ہونے سے اگر کتے کو جنت مل سکتی ہے تو اگر مومن اللہ والوں کے ساتھ نسبت پکی کر لے گا تو نجات کیوں نہیں ہوگی۔

اونٹنی جنت میں:

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے بارے میں بھی مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو بھی جنت عطا فرمائیں گے۔ حالانکہ دنیا کے دوسرے اونٹ جنت میں نہیں جائیں گے مگر اس کو چونکہ حضرت صالح علیہ السلام سے نسبت ہے اس

لئے اس کو بھی جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرما دیا۔

تابوت سکینہ کا تذکرہ:

اللہ والوں کے زیر استعمال جو چیزیں رہتی ہیں ان کے اندر بھی نسبت کی برکتیں آ جاتی ہیں۔ اس کی دلیل قرآن عظیم الشان سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو فرشتے ایک بہت بڑا صندوق لے کر حضرت طالوت علیہ السلام کے پاس آئے۔ سورۃ بقرہ میں اس کا تذکرہ ہے۔ فرمایا کہ فیہ سکینۃ اس میں سکینہ تھی۔ سکینہ اس رحمت، برکت اور نور کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں انزل اللہ سکینۃ علی رسولہ کہ اللہ نے اپنے رسول کے اوپر سکینہ کو نازل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صندوق کے لئے سکینہ کا لفظ استعمال کیا۔ اور ارشاد فرمایا فیہ سکینۃ و بقیۃ مما ترک ال موسیٰ و ال ھارون تحملہ الملئکۃ کہ اس میں رحمت، برکت اور نور تھا اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی جو بچی ہوئی چیزیں تھیں وہ اس میں موجود تھیں۔ معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کے بچے ہوئے تبرکات میں اللہ تعالیٰ نے سکینہ کو رکھ دیا تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ جو چیزیں بزرگوں کے زیر استعمال رہتی ہیں اگر ان میں بھی برکتیں آ جاتی ہیں تو پھر ان بزرگوں کے اپنے دلوں کی برکتوں کا کیا عالم ہوگا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے جبہ میں برکت:

کتابوں میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر خلق قرآن کے مسئلہ کے بارے میں کچھ آزمائشیں آئیں گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرما دیں گے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد بھی تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد کو بھیجا

کہ جاؤ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خواب سنادو۔ چنانچہ اس شاگرد نے جا کر خواب سنا دیا کہ خلق قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں آئیں گی اور اللہ تعالیٰ اس آزمائش میں آپ کو کامیاب فرمادیں گے۔ اب ظاہر میں تو تکالیف پہنچنے والی بات تھی مگر اللہ والے تو یہ دیکھتے ہیں کہ اس آزمائش میں ہم کامیاب ہوں گے یا نہیں۔ اس خواب میں تو بشارت بھی تھی کہ کامیاب ہوں گے۔

نبی اکرم ﷺ کی یہ سنت ہے کہ اگر کوئی خوشخبری لائے تو خوشخبری لانے والے کو کچھ ہدیہ پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کا اپنا ایک جبہ پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ جبہ اس آنے والے بندے کو ہدیہ کے طور پر پیش کر دیا۔ جب شاگرد نے واپس جا کر امام شافعی کو کارگزاری سنائی تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ جبہ حاصل کرنے کی فرمائش ظاہر کی۔ شاگرد نے امام شافعی کے حوالے کر دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس جبے کو پانی میں ڈبو کر رکھتے اور وہ پانی بیمار کو پلا دیتے تو اللہ تعالیٰ بیمار کو شفا عطا فرما دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے جبہ میں اتنی برکت رکھ دی تھی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم شخصیت اس جبہ سے برکت حاصل کرتی تھی۔

لمس نبوی ﷺ کی برکات:

ایک مرتبہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تنور میں روٹیاں لگا رہی تھیں۔ اسی اثناء میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام ان کے گھر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کو اپنی صاحبزادی سے بہت محبت تھی۔ بیٹیاں تو ویسے ہی لخت جگر ہوتی ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دیکھا تو فرمایا، فاطمہ رضی اللہ عنہا! ایک روٹی میں بھی بنا دوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی آٹے کی ایک روٹی بنا دی اور فرمایا کہ تنور میں لگا دو۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ روٹی تنور میں لگا دی۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جب روٹیاں لگا کر فارغ ہو گئیں تو کہنے لگیں، ابو جان! سب روٹیاں پک گئی ہیں مگر ایک روٹی ایسی ہے کہ جیسے لگائی گئی تھی ویسے ہی لگی ہوئی ہے۔ اس پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا۔ نبی علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا کہ جس آٹے پر میرے ہاتھ لگ گئے ہیں اس پر آگ اثر نہیں کرے گی۔ سبحان اللہ۔

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کے گھر گیا۔ میں کھانا کھا رہا تھا۔ انہوں نے اپنی باندی سے کہا کہ تولیہ لاؤ۔ جب وہ تولیہ لائیں تو دیکھا کہ میلا کچیلا تھا۔ حضرت انسؓ نے اس کو غصے کی نظر سے دیکھا اور کہا کہ جاؤ اسے صاف کر کے لاؤ۔ فرماتے ہیں کہ وہ بھاگ کر گئی اور جلتے ہوئے تنور کے اندر تولیے کو پھینک دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے وہ تولیہ تنور سے باہر نکالا تو بالکل صاف ستھرا تھا۔ وہ گرم گرم تولیہ میرے پاس لائی۔ میں نے ہاتھ تو صاف کر لئے مگر حضرت انسؓ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ مسکرائے اور کہنے لگے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ میرے گھر دعوت پر تشریف لائے تھے۔ میں نے یہ تولیہ محبوب ﷺ کو ہاتھ مبارک صاف کرنے کے لئے دیا تھا۔ جب سے محبوب ﷺ نے ہاتھ مبارک صاف کئے آگ نے اس تولیے کو جلانا چھوڑ دیا ہے، جب یہ تولیہ میلا ہو جاتا ہے تو ہم اسے تنور میں ڈال دیتے ہیں، آگ میل کچیل کو کھا لیتی ہے اور ہم صاف تولیے کو باہر نکال لیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

کپڑے میں برکت:

سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ میں ایک مرتبہ آگ نکلی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت تمیم داریؓ کو بھیج دیا۔ انہوں نے اپنے رومال کو چابک کی طرح بنا لیا اور اس رومال کو آگ پر مارنا شروع کر دیا۔ آگ اس طرح پیچھے ہٹنے لگی جیسے چابک کے لگنے سے جانور بھاگ رہا ہوتا ہے۔ چونکہ محبوب ﷺ

کی ان کو دعائیں تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کپڑے میں ایسی تاثیر رکھ دی کہ اس کی برکت سے آگ پیچھے ہٹتی ہٹتی جہاں سے نکلی تھی بالآخر وہیں پہنچ گئی۔

ایمان کی نسبت کی برکات:

سیدنا صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کذاب نے مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی طرح گرفتار کر لیا اور کہا کہ تم میری نبوت کا اقرار کر لو۔ وہ کہنے لگے، ہرگز نہیں۔ وہ کہنے لگا، میں تجھے آگ میں ڈلوا دوں گا۔ فرمانے لگے، فاقض ما انت قاض تو جو کر سکتا ہے کر لے۔ کیونکہ پہلے سے ہی ایسا ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ اس نے آگ جلوائی اور ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کو آگ میں ڈلوا دیا۔ انہوں نے اللہ اکبر اور بسم اللہ کے الفاظ پڑھے اور آگ میں چھلانگ لگا دی مگر آگ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا۔

جب مسیلمہ کذاب نے دیکھا کہ آگ نے ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی اثر نہیں کیا تو وہ پریشان ہو گیا اور ڈر گیا کہ کہیں اس بندے کی وجہ سے مجھ پر پکڑ نہ آ جائے۔ چنانچہ کہنے لگا، اچھا، میں تجھے آزاد کرتا ہوں۔ لہٰذا انہیں آزاد کر دیا گیا۔ یہ واقعہ یمامہ میں پیش آیا۔ اور یہ خبر پھیلتے پھیلتے حضرت سیدنا عمر ابن الخطابؓ اور حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ تک پہنچ گئی۔

ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ مجھے نبی علیہ السلام کا دیدار کرنے کے لئے جانا چاہئے۔ جھوٹے نبی نے تو مجھے جلانا چاہا مگر میرے مالک نے مجھے محفوظ فرما دیا۔ اب کیوں نہ میں سچے نبی ﷺ کے قدموں میں حاضری دے آؤں۔ چنانچہ یمامہ سے مدینہ حاضر ہوئے، مسجد نبوی میں دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہی تھے کہ حضرت عمرؓ قریب آئے۔ انہوں نے اجنبی شخص کو دیکھ کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کہنے لگے کہ ابو مسلم خولانی ہوں۔ پوچھا، کہاں سے

آئے ہو؟ کہنے لگے کہ میں یمامہ سے آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ یمامہ میں ایک آدمی کو مسیلمہ کذاب نے آگ میں ڈال دیا مگر آگ نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا، کیا تم نے بھی اس کے بارے میں سنا ہے؟ فرمانے لگے، جی ہاں۔ وہ آدمی تو میں ہی ہوں جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت عمرؓ بڑے خوش ہوئے۔ فرمانے لگے کہ چلو میں آپ کو خلیفہ رسول ﷺ کے پاس لے کر جاؤں۔ چنانچہ انہیں صدیق اکبرؓ کے پاس لے کر آئے اور کہنے لگے، امیر المومنین! آج اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ایسے شخص کو کھڑا کر دیا ہے کہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی یادیں تازہ کر دی ہیں۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے ایمان کی نسبت سے ان کو دنیا کی آگ میں جلنے سے محفوظ فرما دیا۔ بالکل اسی طرح جب ایمان والوں کو قیامت کے دن جہنم کے اوپر سے گزارا جائے گا تو جہنم کی آگ کہے گی اسرع یا مومن ان نورك اطفاء ناری اے مومن! جلدی چل کہ تیرے نور نے تو میری آگ کو بجھا ڈالا ہے۔

نسبی ولایت کی برکات:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام ایک بستی میں گئے جہاں دو ایسے بچے تھے جن کے گھر کی دیوار گری ہوئی تھی۔ فرمایا گیا وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا کہ اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ اس دیوار کو دوبارہ بنانے کا حکم کس لئے دیا گیا؟ اس لئے کہ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا کہ ان کا باپ بڑا نیک تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے لفظ تو ابو کا استعمال ہوا ہے مگر اس سے مراد ان کا دادا پر دادا یا اوپر کی پشت میں اللہ کا کوئی بڑا ولی گزرا تھا۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی کئی نسلوں کے بعد بچوں کی جائیداد کی بھی حفاظت فرما دی۔ نہ صرف ظاہری سرمایہ کی ہی حفاظت کی جاتی ہے بلکہ اولیاء اللہ کی آنے والی اکیس اکیس نسلوں کے ایمان کی بھی

اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔وَ اتَّبَعَتْهُمْ وَ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اور پھر ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ تو ہم ان کی اولادوں کو بھی ان کے ساتھ قیامت کے دن اکٹھا کر دیں گے۔وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ۔اور ان کے عملوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ کریں گے۔

مفسرین کی رائے:

اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ جب اللہ والے اس دنیا سے چلے جائیں گے اور ان سے تعلق رکھنے والے، ظاہری اولاد ہوں یا باطنی اولاد ہوں، ان کے راستے پر چلنے کی کوشش کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنی ہمت دی ہوگی وہ اس راستے پر چلیں گے۔اگر چہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے بہت نیچے کے مقام پر ہوں گے اور ان کے روحانی مشائخ بہت بلند مقام پر ہوں گے لیکن چونکہ انہوں نے اسی راستے پر قدم اٹھایا ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی رحمت کے ساتھ ان اولادوں کو بھی ان کے بڑوں کے ساتھ ملا دیں گے۔

محبت والوں کا ملاپ:

علماء نے کتابوں میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر دو بندوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت ہوگی اور ان دو میں اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو تقویٰ میں بلند مقام عطا فرمایا ہوگا حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ مقرب بن جائے گا اور دوسرا بندہ اس راستے پر قدم بھی اٹھائے گا مگر پست پرواز ہوگا۔اتنا آگے نہیں بڑھ سکے گا، دل میں محبت رکھتے ہوئے عمل کرنے کی کوشش میں لگا رہے گا جب مرے گا تو المرء

مع من احب کہ بندہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوگی۔ اس خوشخبری کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اس کم مرتبہ والے بندے کو بھی اس سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس دوسرے بلند مرتبہ بندے کا مقام عطا فرمادیں گے۔

نسبت نقشبندیہ کی برکت:

اس حدیث پاک پر غور کیجئے کہ قیامت کے دن نبی علیہ الصلوۃ والسلام جہاں ہوں گے اللہ تعالیٰ سیدنا صدیق اکبرؓ کو بھی محبت رکھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ کر دیں گے۔ پھر سیدنا سلمان فارسیؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے محبت کی اور ان کے ساتھ ایک خاص نسبت کا تعلق پایا، ان کو بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ کر دیں گے۔ بعد میں آنے والوں کو بھی انہیں کے بڑوں کے ساتھ کرتے جائیں گے حتیٰ کہ سب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ جن مشائخ کے ساتھ ہماری باطنی نسبت ہے جب ان کو قیامت کے دن نبی علیہ السلام کے قدموں میں جگہ ملے گی تو ہمیں بھی اپنے مشائخ کے ساتھ سچی محبت رکھنے کی وجہ سے اور ان کی بتائی ہوئی تعلیمات پر حتی المقدور عمل کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن نبی علیہ السلام کے قدموں میں جگہ مل جائے گی۔ سبحان اللہ۔

قبولیت دعا میں نسبت کا مقام:

اللہ تعالیٰ نسبت کی برکات سے بندے کی دعائیں قبول کرتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام دنیا میں اتارے گئے تو آپ نے دو سو سال یا تین سو سال تک اللہ رب العزت کے حضور بہت عاجزی اور زاری کی اتار دیئے کہ اگر آنسوؤں کو جمع کر دیا جائے تو وہ پانی ندی اور نالے کی طرح بہنا شروع کر دے۔ بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہوئے اس کے محبوب ﷺ

کا واسطہ دیا اور عرض کیا، اے اللہ! میں آپ کے محبوب ﷺ کی نسبت سے دعا مانگتا ہوں یا اللہ! میری توبہ قبول فرما لیجئے۔ پروردگار عالم نے توبہ تو قبول فرما لی مگر ساتھ ہی پوچھا، اے میرے پیارے آدم! آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ میرے اتنے مقرب اور محبوب ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا، اے اللہ! جب میں جنت میں تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میں پہچان گیا کہ جس ہستی کا نام آپ کے نام کے ساتھ ہے وہ آپ کی محبوب ہستی ہوگی۔ اس لئے میں نے آپ کی اس محبوب ہستی کا تصور کر کے آپ سے دعا مانگی ہے۔ سبحان اللہ، اس کے بعد وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں اور تمہاری اولاد میں سے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔

جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اس نسبت کی برکت کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی چاہت ہوگی کہ مجھے آدم کی بجائے ان (نبی آخر الزماں ﷺ) کی نسبت سے پکارا جائے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں "ابو محمد ﷺ" کی کنیت سے پکارا جائے گا۔ سبحان اللہ، ان کے دل کی تمنا ہوگی کہ میری اولاد میں سے جس کی نسبت کی برکت سے میری توبہ قبول ہوئی مجھے جنت میں اسی کے نام کے ساتھ پکارا جائے۔

فاحشہ عورت پر نسبت کا اثر:

اللہ تعالیٰ اس نسبت کی برکت سے بندے کے ایمان اور اعمال کی حفاظت فرماتے ہیں اور اسے امتحانوں سے محفوظ فرما لیا کرتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک بڑا متکبر آدمی تھا۔ اس کے پاس بہت زیادہ مال و

دولت بھی تھا اور خوبصورت باندیاں بھی تھیں۔ اسے اپنے شباب اور شراب کے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملا کرتی تھی۔ کسی نے اس کے سامنے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نیکی کا تذکرہ کر دیا۔ وہ کہنے لگا، اچھا، میں اس کی آزمائش کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنی باندیوں میں سے جو سب سے زیادہ خوبصورت اور رشک قمر باندی تھی اسے بلایا اور کہا کہ بن سنور کر ان کے پاس جانا اور ان سے ایک مسئلہ پوچھتے ہوئے یکدم اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دینا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر بھی گناہ سے بچتا ہے یا نہیں بچتا۔

باندی بن سنور کر جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچی۔ وہ ان کے سامنے بیٹھ کر مسئلہ پوچھنے لگی، مسئلہ پوچھتے پوچھتے اس نے یکدم اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا اور خوبصورت چہرے اور سراپا کے ساتھ ان کے سامنے آئی اور مسکرا دی۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اچانک اس پر پڑ گئی اور آپ کی زبان سے فوراً ''اللہ'' کا لفظ نکلا۔ یہ اللہ کا لفظ ایسی تاثیر رکھتا تھا کہ اس باندی کے دل کے اندر پیوست ہو گیا۔ اب اس نے شرم کی وجہ سے سر پر دوبارہ نقاب لے لیا۔

جب واپس گئی تو اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ وہ مالک سے جا کر کہنے لگی، اب آپ کے ساتھ میرا گزارا نہیں ہو سکتا۔ میں نے اللہ کا لفظ سنا ہے۔ اس لفظ کی وجہ سے میرے دل میں اللہ کی محبت ایسے آئی ہے کہ اب میں اسی کی عبادت میں زندگی گزاردوں گی۔ چنانچہ وہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی اور وہ متکبر آدمی اپنے دوستوں میں بیٹھ کر کہتا تھا کہ میں نے جنید بغدادی کا کیا بگاڑا تھا کہ اس نے میری خوبصورت باندی کو کچھ کر دیا ہے کہ اب وہ میرے کام کی نہیں رہی۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر نسبت کی برکات:

اللہ تعالیٰ نسبت کی وجہ سے بندے کو اپنا نازنین بنا لیتے ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ

اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو چکے تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو مجنون سمجھ کر کسی نے پتھر مارا۔ جس کی وجہ سے خون نکل آیا۔ ایک آدمی دیکھ رہا تھا۔ اس نے جب خون نکلتا دیکھا تو کہا کہ چلو میں پٹی باندھ دیتا ہوں۔ لہٰذا اس نے بچوں کو ڈرا دھمکا دیا اور ان کے قریب ہوا۔ وہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو قطرہ بھی خون کا نکلتا ہے وہ زمین پر گرتے ہی اللہ کا لفظ بن جاتا ہے۔ وہ حیران ہوا کہ اس بندے کے رگ و ریشے میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت سمائی ہوگی کہ خون کا جو قطرہ بھی گرتا ہے وہ اللہ کا لفظ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اس نے زخم پر پٹی باندھ دی۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت تھی کہ جب کوئی ان کے سامنے اللہ کا نام لیتا تھا تو وہ جیب میں ہاتھ ڈالتے تھے اور جیب سے مٹھائی نکال کر اس بندے کے منہ میں ڈال دیتے تھے۔ کسی نے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں کہ لوگوں کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ جس منہ سے میرے محبوب کا نام نکلے میں اس منہ کو شیرینی سے نہ بھر دوں تو پھر اور کیا کروں۔

ایک مرتبہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ وضو کر کے گھر سے نکلے۔ راستے میں ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا، شبلی! ایسا گستاخانہ وضو کر کے تو میرے گھر کی طرف جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ سہم گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ جب وہ پیچھے ہٹنے لگے تو دوبارہ الہام ہوا، شبلی! تو میرا گھر چھوڑ کر کہاں جائے گا؟ وہ پھر ڈر گئے اور زور سے ''اللہ'' کی ضرب لگائی۔ جب ''اللہ'' کا لفظ کہا تو الہام ہوا، شبلی! تو ہمیں اپنا جوش دکھاتا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر دبک کر بیٹھ گئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد الہام ہوا، شبلی! تو ہمیں اپنا صبر دکھاتا ہے۔ بالآخر کہنے لگے، اے اللہ! میں تیرے ہی سامنے فریاد کرتا ہوں۔ اصل میں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے کے ساتھ ذرا محبت کی باتیں کرنا چاہتے تھے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مرتبہ عجیب کیفیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں الہام فرمایا، شبلی! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیرے عیب لوگوں پر کھول کر ظاہر کردوں تاکہ تجھے دنیا میں کوئی منہ لگانے والا نہ رہے۔ وہ بھی ذرا ناز کے موڈ میں تھے لہٰذا جب یہ الہام ہوا تو وہ اسی وقت اللہ رب العزت کے حضور کہنے لگے، اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی رحمت کھول کھول کر لوگوں پر ظاہر کردوں تاکہ آپ کو دنیا میں کوئی سجدہ کرنے والا نہ رہے۔ جیسے ہی یہ بات کہی اوپر سے الہام ہوا، شبلی! نہ تو میری بات کہنا نہ میں تیری بات کہتا ہوں۔

سوچئے تو سہی کہ نسبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے ساتھ کس طرح راز و نیاز اور محبت و شفقت کی باتیں کرتے ہیں۔

دیدار الٰہی کی تمنا:

ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ وہ کہنے لگا، حضرت! ذکر و اذکار اور عبادات میں عمر گزر گئی ہے مگر میرا دل ایک تمنا کی وجہ سے جل رہا ہے۔ جی چاہا کہ آج آپ کے سامنے وہ تمنا ظاہر کردوں۔ آپ نے پوچھا، کونسی تمنا ہے؟ کہنے لگا، حضرت! امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں سو مرتبہ اللہ کا دیدار ہوا تھا، میرا بھی جی چاہتا ہے کہ مجھے بھی اپنے خالق کا دیدار نصیب ہو جائے۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حاذق طبیب تھے لہٰذا اس نے یہ بات کہی تو فرمانے لگے، اچھا، تم پھر آج عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے ہی سو جانا۔ اس میں بھی حکمت تھی مگر وہ بندہ سمجھ نہ سکا۔ وہ گھر آیا جب مغرب کے بعد کا وقت ہوا تو سوچنے لگا کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ تم عشاء کی نماز پڑھے بغیر ویسے ہی سو جانا لیکن فرض تو بالآخر فرض ہیں۔ چلو میں فرض پڑھ کر سنتیں چھوڑ کر سو جاؤں گا اور بعد میں پڑھ لوں

گا۔ چنانچہ وہ فرض پڑھ کر سو گیا۔

رات کو خواب میں اسے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا دیدار نصیب ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا ”تم نے فرض تو پڑھ لیے مگر سنتیں کیوں نہ پڑھیں“ اس کے بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔ صبح آ کر اس نے حاجی صاحب کو بتایا۔ حاجی صاحب نے فرمایا، او اللہ کے بندے! تو نے اتنے سال نمازیں پڑھتے گزار دیئے، بھلا اللہ تیری نماز قضا ہونے دیتے، کبھی ایسا نہ ہوتا بلکہ وہ تیرے عملوں کی حفاظت فرماتے۔ اگر تو مغرب کے بعد سو جاتا تو خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہوتا وہ تجھے جگا بھی دیتے اور تجھے عشاء کی توفیق بھی عطا فرما دیتے۔ مگر تو راز کو نہ سمجھ سکا۔ تو نے فقط سنتیں چھوڑیں اور محبوب ﷺ کا دیدار ہوا اگر تو فرض چھوڑ دیتا تو تجھے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو جاتا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور نسبت کی برکات:

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک مشہور واقعہ ہے۔ وہ ایک مرتبہ حج پر تشریف لے گئے۔ وہ تھکے ہوئے تھے۔ حضرت نے عشاء کی نماز کے صرف فرض پڑھے اور سو گئے۔ خواب میں نبی علیہ السلام کا دیدار نصیب ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، مہر علی! تو نے فرض پڑھ لیے اور سنتیں نہ پڑھیں۔ جب آپ ہماری سنتیں چھوڑ دیں گے تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ بیدار ہوئے تو حضرت پر گریہ طاری ہو گیا۔ اس کے بعد عشاء کی نماز مکمل کی اور پھر بعد میں یہ مشہور نعت لکھی۔

نعت رسول مقبول ﷺ:

اج سک متراندی ودھیری اے
کیوں دلڑی اداس گھنیری ہے

لوں لوں وچ شوق چنگیری اے
اج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
مکھ چند بدر لاثانی اے
متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اکھ مستانی اے
مخمور اکھیں ہن مدھ بھریاں
اس صورت نوں میں جان آکھاں
جان آکھاں کہ جان جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جس شان تو شاناں سب بنیاں
ایہا صورت شالا پیش نظر
رہے وقت نزع تے روز حشر
وچ قبر تے پل تھیں جد ہو گزر
سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں
انہاں سکدیاں تے کرلاندیاں تے
لکھ واری صدقے جاندیاں تے
اتے بردیاں مفت وکاندیاں تے
شالا وت پیاں آون ایہہ گھڑیاں
سبحان اللہ ما اجملک
ما احسنک ما اکملک

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا
گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

اللہ کے نام کی برکت:

اب ایک چھوٹی سی علمی بات کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ طلبا بھی یہ بات مزے سے سنیں۔ ''ب'' کے حرف کو دیکھیں وہ آپ کو لیٹا ہوا نظر آئے گا۔ اور الف (ا) کو دیکھیں وہ آپ کو کھڑا نظر آئے گا۔ بچے بھی پڑھتے ہیں کہ الف (ا) کھڑی نظر آتی ہے اور ''ب'' لیٹی لیٹی نظر آتی ہے۔ عام حالت میں تو ''ب'' کا حرف لیٹا ہوا ہوتا ہے لیکن عجیب بات ہے جب بھی اس کو حرف کی شکل میں لکھیں گے تو لیٹی ہوئی شکل میں لکھیں گے۔ لیکن جب اسی حرف کو اللہ کے نام کے ساتھ ملا کر لکھیں گے یعنی جب بسم اللہ کے اندر ''ب'' کو لکھیں گے تو لیٹا ہوا نہیں بلکہ ''ب'' کو کھڑا ہوا لکھیں گے۔ ارے! ''ب'' کا حرف اگر اللہ کے نام کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے تو اسے کھڑا کر دیا جاتا ہے، اے مومن! تو بھی اگر اللہ کے نام کے ساتھ نسبت حاصل کر لے گا تو اللہ تعالی تجھے بھی لیٹا نہیں رہنے دیں گے بلکہ پروردگار تجھے بھی کھڑا کر دیں گے۔ جب اللہ رب العزت کے نام کی نسبت کی اتنی برکتیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی نسبت کی کتنی برکتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذات کے ساتھ نسبت عطا فرما دے۔

ایک عجیب نکتہ:

مفسرین نے ایک عجیب نکتہ لکھا ہے کہ مومن کے مال کو اگر چور پڑ جائیں اور یہ اس کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے تو حدیث پاک میں آیا ہے کہ یہ بندہ شہید ہے۔ عجیب بات ہے کہ اپنے مال کی خاطر یہ مرا ہے اور اس کو شہادت کا رتبہ دے دیا گیا۔ عقل حیران ہوتی ہے کہ (مال کی خاطر مرنے والا) جس مال کے بارے میں کہا

گیا کہ اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں، دل میں اس کی محبت نہیں ہونی چاہئے، اللہ کے ہاں اس کا مکھی کے پر کے برابر بھی رتبہ نہیں۔ اس مال کی خاطر اگر مومن جان دے دیتا ہے تو یہ شہید ہے۔ سبحان اللہ۔ اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ہنڈیا پک رہی ہو اور آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور درمیان میں اسے یہ ڈر پیدا ہو جائے کہ ہنڈیا جل جائے گی اور ضائع ہو جائے گی اور مجھے کھانے کو کچھ اور نہیں ملے گا تو وہ نماز توڑ دے۔ ہنڈیا کی حفاظت پہلے کرے اور نماز کو بعد میں پھر لوٹا دے۔ عقل حیران ہوتی ہے کہ اللہ کی عبادت میں کھڑا تھا اور ادھر ہنڈیا کی بات تھی، حالانکہ اس کی کوئی اتنی قدر و قیمت نہیں تھی مگر کہا کہ نہیں، تم پہلے اس کی حفاظت کرو، نماز پھر پڑھ لینا۔

ارے! مال تھا، اس کی کوئی ویلیو نہیں تھی، مگر مال کی خاطر یہ قتل کر دیا گیا، شریعت کہتی ہے کہ شہید ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادت کا رتبہ کیوں دیا؟ کیونکہ اس نے کوئی کافروں سے جنگ نہیں لڑی اور نہ ہی اس نے دین کی سربلندی کے لئے کام کیا ہے، فقط اپنے مال کی وجہ سے لڑا جس کی کوئی ویلیو ہی نہیں تھی۔ یہاں محدثین نے ایک نکتہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے۔ **من قتل دون ماله فهو شهيد** کہ جو بندہ اپنے مال کی وجہ سے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔ اس حدیث پاک کو سامنے رکھ کر وہ فرماتے ہیں کہ مال کی تو کوئی حیثیت نہیں تھی مگر حدیث پاک میں مالہ کے لفظ میں "ہ" کی ضمیر نے مال کو مومن کے ساتھ نسبت دے دی ہے۔ لہٰذا اب یہ فقط مال نہیں بلکہ یہ مومن کا مال ہے۔ لہٰذا مومن کے مال کی حفاظت کرتے ہوئے اگر مومن مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کا رتبہ عطا فرما دیتے ہیں۔ ارے! مال کو اگر مومن کے ساتھ نسبت ہو جائے تو مال کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ اگر مومن کو اللہ سے نسبت مل جائے تو مومن کی شان کیوں نہ بڑھ جائے گی۔ اللہ اکبر کبیرا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بسم اللہ کی برکت:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم ایمان والوں کو کشتی میں لے کر بیٹھو، اور اس کے بعد پڑھنا بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا۔ لہٰذا جب کشتی کو چلانا ہوتا تو وہ بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا پڑھتے اور کشتی چل پڑتی اور جب روکنا ہوتا تو فرماتے بِسْمِ اللّٰہِ مُرْسٰھَا اس سے کشتی رک جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن پاک کی آیت بنادیا۔ بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَ مُرْسٰھَا اس آیت کے تحت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب نکتہ لکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھ کر اس کشتی کو چلاؤ بھی اور روکو بھی۔ لہٰذا بسم اللہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کشتی کو چلاتے بھی تھے اور اتنے بڑے طوفان سے اس کشتی کی حفاظت بھی فرمائی۔ وہ یہاں فرماتے ہیں کہ سوچنے کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو "بسم اللہ" کے دو لفظ عطا فرمائے اور ان دو لفظوں کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی سرپرستی میں ان کی پوری امت کو اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے طوفان سے محفوظ فرمالیا تو ہم بھی امید کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کی سرپرستی میں امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عطا کر دی۔ اس کی برکت سے جہنم کی آگ سے بچا کر جنت عطا فرمادیں گے۔ سبحان اللہ، چونکہ نبی علیہ السلام کے ساتھ امت کو ایک نسبت حاصل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس امت کی بھی حفاظت فرمائیں گے۔

ہماری کل کائنات:

میرے دوستو! دنیا داروں کی پراپرٹی ان کا مال ہوتا ہے اور ہماری پراپرٹی نسبت مع اللہ اور نسبت مع اہل اللہ ہے۔ یعنی اللہ سے نسبت اور اللہ والوں سے

نسبت۔ یہ ہماری کل کائنات ہے۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو بس آسرا یہی ہے

نزع کے وقت نسبت کی برکت:

قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں یہ بات لکھی ہے کہ ایک عورت ان سے بیعت ہوئی۔ اس کے بعد اس کا حضرت سے رابطہ بھی نہ رہا۔ البتہ وہ ان کے بتائے ہوئے معمولات پر حتی المقدور عمل کرتی رہی۔ بیس سال کے بعد اس پر سکرات موت کی کیفیت طاری ہوئی تو وہ اچانک کہنے لگی، وہ دیکھو، حضرت آرہے ہیں۔ پھر کہنے لگی، وہ دیکھو، حضرت میرے پاس آ گئے۔ پھر کہنے لگی، حضرت مجھے کچھ پڑھا رہے ہیں۔ اس نے خود ہی پوچھا، حضرت! آپ مجھے کیا پڑھا رہے ہیں؟ پھر خود ہی کہنے لگی، حضرت! کیا آپ مجھے کلمہ پڑھا رہے ہیں؟ پھر کہنے لگی، اچھا، میں پڑھتی ہوں۔ چنانچہ اس نے پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

اندازہ کیجیے کہ بیس سال پہلے بیعت ہوئی تھی۔ اس دوران میں کوئی رابطہ نہ ہوا۔ مگر اس کے دل میں محبت تھی۔ ظاہر کے رابطے میں تو رکاوٹیں ہو سکتی ہیں مگر دل کے رابطے میں تو دنیا رکاوٹیں پیدا نہیں کر سکتی۔ بیس سال کے بعد موت کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک منظر دکھا دیا، شیخ سے نسبت کی برکت ظاہر فرما دی۔ اس نے اپنے شیخ کے کسی لطیفہ کو دیکھا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رجال میں سے کسی بندے کو اس شکل میں کھڑا کر دیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے نسبت کی برکت سے اس عورت کے

ایمان کی حفاظت فرما دی۔

خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس دل پر یہ اللہ اللہ کی انگلی لگ جاتی ہے اس دل کو ذکر کیے بغیر موت نہیں آ سکتی۔ یعنی نسبت کی برکت کی وجہ سے اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان کی حفاظت:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے اللہ والے گزرے ہیں۔ آپ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں سو دلائل جمع کیے۔

جب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو شیطان آپ کو پھسلانے کے لئے آپ کے پاس آیا۔ نزع کے وقت شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے تاکہ مرتے وقت وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ شیطان نے آ کر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تم نے ساری زندگی اللہ کی عبادت میں گزار دی۔ کیا تم نے اللہ کو پہچانا بھی ہے؟ آپ نے فرمایا، ''بے شک اللہ ایک ہے''۔ شیطان کہنے لگا، کوئی دلیل دو۔ آپ نے توحید باری تعالیٰ کے بارے میں ایک دلیل دی۔ شیطان نے چونکہ انسانیت کو گمراہ کرنے کی قسمیں کھائی ہوئی تھیں۔ اور معلم الملکوت رہ چکا تھا اس لئے اس نے آپ کی بتائی ہوئی دلیل رد کر دی۔ آپ نے دوسری دلیل دی۔ اس نے وہ بھی رد کر دی۔ یہاں تک کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سو دلائل دیئے مگر اس نے سب دلائل رد کر دیئے۔ اب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بہت پریشان ہوئے۔

اس وقت آپ کے پیر و مرشد شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ دور دراز کسی جگہ پر وضو فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی پریشانی کے بارے میں کشفاً مطلع فرما دیا۔ انہوں نے غصہ میں آ کر وہ لوٹا جس سے وضو فرما رہے تھے دیوار پر مارا اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو پکار کر کہا کہ تو یہ کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بغیر دلیل کے ایک مانتا ہوں۔ اس وقت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کا غصہ سے بھرا چہرہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل سامنے تھا۔ سبحان اللہ، نسبت کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان کی حفاظت فرمائی۔

مجوسی کا ہاتھ کیوں نہ جلا؟

ایک بزرگ کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کو ایک آدمی ملا۔ انہوں نے پوچھا، تم کون ہو؟ کہنے لگا، میں آتش پرست (آگ کی پوجا کرنے والا) ہوں۔ دونوں نے مل کر سفر شروع کر دیا۔ راستہ میں وہ آپس میں بات چیت کرنے لگے۔ اس بزرگ نے اس کو سمجھایا کہ آپ خواہ مخواہ آگ کی پوجا کرتے ہیں، آگ تو خدا نہیں، خدا تو وہ ہے جس نے آگ کو بھی پیدا کیا ہے۔ وہ نہ مانا۔ آخر کار اس بزرگ کو بھی جلال آ گیا۔ انہوں نے فرمایا، اچھا، اب ایسا کرتے ہیں کہ آگ جلاتے ہیں اور دونوں اپنے اپنے ہاتھ آگ میں ڈالتے ہیں۔ جو سچا ہوگا آگ کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوگا اور جو جھوٹا ہوگا آگ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی۔ وہ بھی تیار ہو گیا۔

انہوں نے اس جنگل میں خوب آگ جلائی۔ آگ جلانے کے بعد مجوسی گھبرانے لگا۔ جب اس بزرگ نے دیکھا کہ اب پیچھے ہٹ رہا ہے تو انہوں نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اپنے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھام کر آگ میں ڈال دیا۔ بزرگ کے دل میں تو پکا یقین تھا کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ میری حقانیت کو ضرور ظاہر

فرمائیں گے جس سے دین اسلام کی شان و شوکت بھی واضح ہو جائے گی۔ لیکن اللہ کی شان، کہ نہ اس بزرگ کا ہاتھ جلا اور نہ اس آتش پرست کا۔ وہ آتش پرست بڑا خوش ہوا اور یہ بزرگ دل ہی دل میں بڑے رنجیدہ ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہوا۔

چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ! میں سچے دین پر تھا، آپ نے مجھ پر تو رحمت فرما دی کہ میرے ہاتھ کو محفوظ فرما لیا، یہ آتش پرست تو جھوٹا تھا، آگ اس کے ہاتھ کو جلا دیتی۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات القا فرمائی کہ میرے پیارے! ہم اس کے ہاتھ کو کیسے جلاتے جب کہ اس کے ہاتھ کو آپ نے پکڑا ہوا تھا۔ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نسبت کی یوں لاج رکھ لیتے ہیں۔ مجوسی تو پکا کافر تھا مگر اس کے ہاتھ کو وقتی طور پر ایک اللہ والے کے ہاتھ کے ساتھ سنگت نصیب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی آگ سے محفوظ فرما دیا۔

پورے قبرستان والوں کی بخشش:

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا گیا تو خوشبو آتی تھی۔ اب لوگ حیران ہوتے ہیں کہ قبر سے خوشبو کیسے آئی۔ او خدا کے بندے! اس میں تعجب کی کونسی بات۔ اگر پھول زمین پر پڑا ہو تو مٹی کے اندر خوشبو آ جاتی ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی پھول کی مانند تھے۔

بگفتا من گلے ناچیز بودم
و لیکن مدت باگل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

وہ گل تھے، اس پھول کی خوشبو مٹی میں سما گئی تھی اور پھر مٹی میں سے انسانوں کو

محسوس ہونے لگ گئی تھی۔ کافی عرصہ کے بعد حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفا میں سے کسی کو خواب میں نظر آئے۔ اس نے پوچھا، حضرت! آگے کیا معاملہ بنا؟ حضرت نے فرمایا، اللہ رب العزت کے حضور میری پیشی ہوئی۔ (حضرت کثیر البکاء تھے، ان کی طبیعت غمزدہ رہتی تھی) حضرت نے خواب میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، احمد علی! تو مجھ سے اتنا کیوں ڈرتا تھا؟ یہ سن کر میں اور زیادہ ڈر گیا کہ مجھ سے پوچھا جا رہا ہے۔ جب میں اور زیادہ ڈر گیا تو مجھے فرمایا، احمد علی! تم اور ڈر گئے۔ آج تمہارے ڈرنے کا دن نہیں، بلکہ انعام پانے کا دن ہے، ہم نے تمہارا اکرام کرنا ہے لہٰذا ہم نے تمہاری بھی مغفرت کی اور جس قبرستان میں تمہیں دفن کیا گیا ہم نے وہاں کے بھی تمام مُردوں کی مغفرت فرما دی۔ سبحان اللہ، نسبت بڑی عجیب چیز ہے۔

دعاؤں کا پہرہ:

اللہ والوں سے تعلق رکھنے والے ہزاروں میل دور ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ مشائخ کی دعاؤں اور توجہات کے صدقے وہاں بھی ان کے ایمان اور اعمال کی حفاظت فرما دیتے ہیں۔ کئی لوگ فتنوں میں پڑنے لگتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ یوں بچا لیتے ہیں جیسے مکھن میں سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ بھٹکنے لگتے ہیں مگر کوئی تھام لیتا ہے، پھسلنے لگتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ حفاظت فرما دیتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ہمارے بڑوں کی دعائیں ہمارے گرد پہرہ دیا کرتی ہیں۔ بندہ ایسی آزمائشوں سے جو بچ نکلتا ہے وہ اصل ہم میں سے کسی کی ہمتیں ہوتی ہیں۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا:

دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

اس لیے ہمیں نورِ نسبت تمنا بنا کر اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے کیونکہ

نسبت مصطفیٰ بھی بڑی چیز ہے جس کو نسبت نہیں اس کی عزت نہیں
خود خدا نے نبی سے یہ فرما دیا جو تمہارا نہیں وہ ہمارا نہیں

دیکھنے کا فرق:

حدیث قدسی ہے انا عند ظن عبدی بی کہ میں بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر جب گمان رکھتا ہے اسی طرح اس کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر شیخ کے بارے میں یہ گمان رکھے کہ یہ کامل ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ ان سے ہدایت کا نور عطا فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرما دیتے ہیں اور جو شخص اپنے شیخ کو ایک عام بندے کی سی نظر سے دیکھنا شروع کر دے تو شیخ اس کو عام بندہ ہی نظر آتا ہے۔ دیکھئے شیر اور شِیر دو الفاظ ہیں۔ یہ دیکھنے میں تو ایک جیسے ہیں مگر ایک لفظ جنگل کے بادشاہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرے لفظ کا مطلب دودھ ہے۔ جس طرح یہ دونوں الفاظ لکھنے میں اور دیکھنے میں ایک جیسے ہیں مگر حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک اور مثال پر غور کیجئے۔ کہ مُلک، مَلَک، مِلک، مَلِک چار الفاظ ہیں۔ یہ بھی چاروں الفاظ لکھنے اور دیکھنے میں ایک جیسے ہیں مگر حقیقت میں ہر ایک کا مطلب اور مفہوم جدا ہے۔ جاننے والا آدمی جب کسی جملے میں اعراب کے بغیر ان میں سے کوئی بھی لفظ پڑھتا ہے تو ٹھیک پڑھتا ہے اگر ایک لفظ کی جگہ دوسرا پڑھ دے تو مفہوم الٹ بن جاتا ہے۔ نبی علیہ السلام کا چہرۂ انور تو وہی تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر پڑی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''محمد رسول اللہ'' کی نظر سے دیکھا اور مقام صدیقیت حاصل کر لیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب اور ابوجہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط محمد بن عبداللہ کی نظر سے دیکھا جس کی وجہ سے جہنم کی غذا بنے۔ معلوم ہوا کہ یہ دیکھنے والے کی نظر ہوتی ہے کہ

دیکھنے والا کس عقیدت اور محبت سے دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا جو سالک اپنے شیخ کے بارے میں یہ یقین رکھے کہ اللہ رب العزت نے ان کو نسبت کا نور دیا ہوا ہے اور ان کے صدقے اللہ تعالیٰ میرے سینے کو بھی روشن فرمائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرمائیں گے۔

جیسا گمان ویسا معاملہ:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم تین پیر بھائی تھے۔ ہم تینوں کا اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علیحدہ علیحدہ گمان تھا۔ فرماتے ہیں کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ خاموش طبع تھے۔ لہٰذا کم بات کرنے کی وجہ سے ہمارے ایک پیر بھائی سمجھتے تھے کہ میرے شیخ کامل تو ہیں مگر صاحب ارشاد نہیں ہیں۔ دعوت وارشاد میں اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو قطب ارشاد بنا دیتے ہیں اور ان کے بیانات اور کلمات سے اللہ تعالیٰ ہزاروں انسانوں کے دلوں کی دنیا کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ ان میں سے دوسرے کا گمان یہ تھا کہ میرے شیخ خود تو کامل ہیں مگر وہ دوسروں کو کامل نہیں بنا پاتے۔ کیونکہ کم بولتے تھے۔ کسی نے ایک دفعہ ان سے کہا، حضرت! آپ بات کیا کریں تا کہ لوگوں کو فائدہ ہو۔ حضرت نے عجیب بات کہی، فرمایا، جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہیں پایا وہ ہماری باتوں سے بھی کچھ نہیں پائے گا۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

اللہ تعالیٰ اپنے بعض اولیا کی ایسی حالت بنا دیا کرتے ہیں کہ وہ من عرف ربہ طال لسانہ کا مصداق بن جاتے ہیں اور ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ من عرف ربہ قل لسانہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی

ہے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار میں ایسے مست ہوجاتے ہیں کہ ان کی مخلوق کے ساتھ کلام کرنے کی کیفیت کم ہوتی ہے اور پروردگار عالم کی طرف ان کے رجحان کی نسبت زیادہ رہتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار میں ہی مست رہتے ہیں۔اور فرماتے ہیں کہ تیسرا میں تھا اور میرا اپنے شیخ کے بارے میں گمان یہ تھا کہ میرے شیخ اتنے کامل ہیں کہ اس سے پہلے اگر اس امت میں کسی کو کوئی کامل شیخ ملا ہے تو وہ سیدنا صدیق اکبر ؓ کو نبی علیہ السلام ملے ہیں اور صدیق اکبر ؓ کے بعد اگر کسی کو کوئی کامل شیخ ملا ہے تو پھر مجھے میرے شیخ ملے ہیں۔فرماتے ہیں کہ میرے ساتھی تو پتہ نہیں کہ کدھر گئے مگر میرے اس گمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مجدد الف ثانی بنا دیا۔یعنی مجھے دوسرے ہزار سال کا مجدد بنا دیا۔

ایک اور واقعہ:

تین آدمی ایک ہی راستے پر جا رہے تھے۔ان کا آپس میں تعارف ہوا۔پھر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ان میں سے ایک نے کہا کہ میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا رہا ہوں۔سنا ہے کہ وہ بڑا ولی ہے اس لئے میں اسے آزمانے جا رہا ہوں کہ وہ ولی بھی ہے یا نہیں۔دوسرے سے پوچھا کہ بھئی ! آپ کس لئے جا رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا کہ میں بہت زیادہ مصیبتوں میں پھنسا ہوا ہوں، اس لئے شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کروانے جا رہا ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے میری مصیبتیں دور فرما دیں۔تیسرے نے پوچھنے پر جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی بڑے کامل ولی ہیں، اس لئے میں ان کو ولی سمجھ کر ان کے جوتوں میں کچھ دن گزارنے جا رہا ہوں۔

وہ تینوں آدمی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور سلام کر

کے بیٹھ گئے۔ ان میں سے جو آدمی کہتا تھا کہ میں تو آزمانے جا رہا ہوں، حضرت نے اس سے حال احوال پوچھے اور اسے واپس بھیج دیا۔ کہتے ہیں کہ وہ بندہ اپنی زندگی میں مرتد ہوا اور بالآخر کفر پر اس کی موت آئی۔ کیونکہ اس کے دل میں اولیاء اللہ کا استخفاف تھا اور ان کے بارے میں ادھر ادھر کی باتیں کرتا پھرتا تھا۔ ان میں سے جس نے کہا تھا کہ میں مصیبتوں میں گھرا ہوا ہوں اور دعا کروانے جا رہا ہوں حضرت نے اس کے لئے دعا فرمائی اور اس کو واپس بھیج دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مصیبتیں دور کر دیں اور تیسرا بندہ جس نے کہا تھا کہ میں ان کے قدموں میں کچھ وقت گزارنے جا رہا ہوں، وہ ان کے پاس رہا حتیٰ کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں شامل ہوا۔

سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن:

اگر کوئی آدمی نیک نیتی کے ساتھ اللہ کے لئے دنیا کی کوئی قربانی دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیں گے اور آخرت میں بھی دیں گے۔ حدیث پاک سے اس کی دلیل ملتی ہے۔ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام ہجرت کے سفر میں تھے اس وقت آپ کے پیچھے ایک کافر آ گیا۔ جس کا نام سراقہ تھا۔ جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا تو آپ ﷺ کی دعا سے اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ پھر نبی علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اس کے پاؤں کو زمین نے چھوڑ دیا۔ جب وہ جانے لگا تو ڈر تھا کہ کہیں وہ جا کر پھر نہ بتا دے۔ اس وقت اس نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے کلمہ پڑھا دیجئے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے اسے کلمہ پڑھا دیا۔ لیکن اس سے پہلے نبی علیہ السلام نے اس کو بشارت دے دی تھی کہ سراقہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو تیرے ہاتھوں یا تیرے بازوؤں میں کسریٰ کے کنگن عطا فرما دیئے ہیں۔ اس کو نبی علیہ السلام کی مخبری کرنے پر سو یا دو سو اونٹوں کا انعام ملنا تھا جو

کفار نے اعلان کر دیا تھا لیکن اس نے اللہ کی نسبت سے سو یا دوسو اونٹوں کے انعام کی قربانی دے دی کہ میں اس دنیاوی فائدہ کو چھوڑتا ہوں اور اب واپس جا کر ان کے بارے میں کفار کو نہیں بتاؤں گا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اس کی اس قربانی کی قدردانی فرمائی اور دوسو اونٹوں کے بدلے میں کسریٰ جیسے بادشاہ کے کنگن اس کے بازوؤں میں عطا فرما دیئے۔ سبحان اللہ، جو بندہ اللہ کی نسبت سے دنیا کی قربانی دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے محروم نہیں کرتے بلکہ دنیا کو کئی گنا کر کے اس کے قدموں میں ڈال دیا کرتے ہیں۔

دیکھئے، میرے اور آپ کے لئے سونا پہننا حرام ہے لیکن سراقہ رضی اللہ عنہ کے لئے سونا پہننا حلال ہو گیا۔ دنیا میں ہی ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن سجے۔ جب کہ ہمارے ہاتھوں میں تو جنت میں سجیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں پہنچا دے۔ (آمین)

نوجوان اور کنگن:

کچھ نوجوان کنگن کا نام سنتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنت میں مرد لوگ سونے کے کنگن پہنیں گے۔ جب کہ ان کا اپنا یہ حال ہوتا ہے کہ راڈو کی گھڑی پہن کر ہاتھ ہلاتے ہیں اور لوگوں کو دکھاتے ہیں کہ دیکھو میں نے راڈو کی گھڑی پہنی ہوئی ہے۔ او خدا کے بندے! یہ تو دنیا کی ایک گھڑی ہے، جب یہ تیرے ہاتھ پہ سجی ہے تو تو لوگوں کو دکھاتا پھر رہا ہے، اگر اللہ تعالیٰ بھی جنت کے اندر مردوں کے بازوؤں میں سونے کی گھڑیاں اور سونے کے کنگن سجا دیں تو اس میں کونسی اچنبھے کی بات ہے۔

دو پیغمبروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ:

آپ کے سامنے ایک علمی بات پیش کرتا ہوں۔ جو علما اور طلبا کے لئے بہت

مزے کی بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے دو پیغمبر ایسے ہیں جن کا قرآن مجید میں بھی تذکرہ ہے اور ان دونوں نے مُردوں کے زندہ ہونے کے بارے میں سوال کیا۔ مگر سوال کا انداز مختلف تھا۔ ایک حضرت عزیر علیہ السلام تھے انہوں نے جب مُردوں کو دیکھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے پروردگار اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا اللہ اس کو کس طرح زندہ کرے گا اس کے مرنے کے بعد۔ انہوں نے پوچھا مگر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہی کو موت دے دی اور وہ ایک سو سال تک اسی حالت میں رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا۔

دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ انہوں نے بھی مردوں کے زندہ ہونے کے بارے میں سوال کیا۔ ان کا سوال پوچھنے کا انداز یہ تھا کہ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی اے اللہ! آپ مردوں کو کیسے زندہ فرمائیں گے۔ انہوں نے اَنّٰی کا لفظ استعمال کیا اور ادھر کَیۡفَ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ کَیۡفَ کے لفظ میں سوالیہ بات ہے، اس میں کوئی تعجب ظاہر نہیں ہوتا کہ جی ان کو کیسے زندہ کریں گے۔ بلکہ فقط ایک سوال پوچھا۔ اسی لئے جب پوچھا اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ کہ کیا آپ اس بات پر ایمان نہیں لائے تو جواب میں فوراً عرض کیا قَالَ بَلٰی اے اللہ! مانتا ہوں، ایمان ہے وَ لٰكِنۡ لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ میں نے تو اپنے دل کے اطمینان کے لئے سوال کیا ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیف کے لفظ کے ساتھ سوال پوچھا اس لئے پروردگار عالم نے کسی غیر پر موت کو طاری کیا اور پھر اس کو زندہ کر کے ان کے سامنے معجزہ دکھا دیا۔ جب کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے سوال پوچھتے ہوئے تعجب کے ساتھ پوچھا، جیسے اس بات پہ بڑے حیران ہو رہے ہوں کہ اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا چونکہ تعجب پایا جاتا تھا اس لئے پروردگار نے غیر پر موت طاری کرنے کی بجائے انہی پر موت طاری کر دی اور سو سال تک آرام سے سلا دیا۔ پھر زندہ کر کے پوچھا کہ اے میرے پیغمبر اب

بتائیے۔

اس ساری تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ ایک لفظ کی تبدیلی سے دونوں کے ساتھ معاملہ علیحدہ علیحدہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا گمان کرے گا پروردگار کا اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوگا۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی چونکہ سوال تو پوچھا تھا اس لئے سوال پوچھنے کی کوئی تو قیمت دینی پڑنی تھی۔ کیونکہ باقی انبیاء بھی تو تھے جنہوں نے سوال ہی نہیں پوچھا تھا۔ اس لئے تمام انبیاء میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی سے وہ قربانی نہ مانگی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مانگی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیارے خلیل! میں نے مُردوں کو زندہ تو کر کے آپ کے سوال کا جواب دے دیا لیکن چونکہ سوال پوچھا تھا اس لئے اس کی قیمت بھی دیتے جائیے۔ اب آپ کو اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے دکھانا پڑے گا۔

نیت درست کر لیجئے:

چونکہ حدیث قدسی میں ہے کہ میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے۔ لہٰذا آپ میں سے جو دل میں یہ گمان لے کر آیا کہ میں ایک ایسی جگہ پر جا رہا ہوں جہاں ذکر کرنے والے اللہ کے نیک بندے ہوں گے، میں وہاں جاؤں گا اور میرے گناہ بخشے جائیں گے، میری مشکلات دور ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ میرے دین ایمان میں ترقی عطا فرما دیں گے۔ جو اس نیت کے ساتھ چل کر آیا ہوگا اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے ساتھ یہی معاملہ فرمائیں گے اور جو کہے گا کہ ہم تقریریں سننے جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو تقریریں تو سنوا دیں گے مگر باطن کی نعمت سے محروم لوٹا دیں گے۔ اب یہ معاملہ ہم پر ہے۔ کئی مرتبہ دور سے آنے والے جھولیاں بھر کے جاتے ہیں اور قریب رہنے والے محروم رہ جاتے ہیں۔

اس لئے میرے دوستو! ہم میں سے ہر بندہ طالب صادق بن کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی طلب کے مطابق اس کو اجر اور بدلہ عطا فرمادیں گے۔

فقیر کا کام:

میرے دوستو! ہم تو سائل ہیں محتاج ہیں، مانگنے والے ہیں، اور فقیر ہیں۔ ہمیں تو قرآن مجید نے خطاب دے دیا یا ایھا الناس انتم الفقراء لہٰذا ہم تو ہیں ہی فقیر، اور فقیر کا کام مانگنا ہوتا ہے۔ لہٰذا مانگنے سے کیا شرمانا۔ اللہ تعالیٰ کے پاس تو زمین وآسمان کے خزانے ہیں اس لئے دل کھول کر مانگنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تو وہ ذات ہے کہ مانگنے والے کو ہمیشہ اپنے دامن کی کوتاہی کا شکوہ رہا اور دینے والے کے خزانے ہمیشہ امیدوں سے بھی زیادہ نکلے۔

ٹوٹے رشتے وہ جوڑ دیتا ہے
بات رب پہ جو چھوڑ دیتا ہے
اس کے لطف و کرم کے کیا کہنے
لاکھ مانگو کروڑ دیتا ہے

ایک دلچسپ نکتہ:

ایک اور علمی نکتہ سنئے امید ہے کہ وہ بات جان کر آپ کو مزہ آئے گا۔ بندہ دنیا میں جب تہجد کے لئے جاگتا ہے تو آنکھیں نیند کو ترستی ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ جی میری آنکھیں نیند کو ترس گئیں۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ میرا جسم نیند کو ترس گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شب بیداری کرتے ہیں. ن کی آنکھیں نیند کو ترستی ہیں لہٰذا جہاں پروردگار عالم نے اپنے شب زندہ دار لوگوں کو اجر اور بدلہ دینے کا تذکرہ فرمایا وہاں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا تذکرہ فرمایا۔ فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ

مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ کہ کوئی جی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے کیا بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ بھی تو کوئی لفظ استعمال کر سکتے تھے مثلاً یوں بھی فرما سکتے تھے کہ ان کے دلوں کی تسکین کے لئے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے۔ یا یہ بھی فرما سکتے تھے کہ ان کے جسموں کی لذت کے لئے اللہ نے کیا بنا رکھا ہے۔ مگر نہیں چونکہ تتجافی جنوبھم عن المضاجع ان کے پہلوان کے بستروں سے جدا رہے اور ان کی آنکھیں نیند کو ترستی رہیں اس لئے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے سامان کر دیا گیا۔ میرے مولا! آپ کتنا اجر اور بدلہ دینے والے ہیں کہ جن کی آنکھیں نیند کو ترستی رہیں ان کے لئے آپ نے وہ وہ نعمتیں بنائیں جن کو دیکھ دیکھ کر ان بندوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام:

اللہ تعالیٰ جس بندے سے راضی ہوتے ہیں اس کو اپنا قرب عطا فرما دیتے ہیں۔ اور یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے سب سے بہترین انعام اس کا قرب ہے۔ اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں سے۔ جب فرعون نے جادوگروں کو بلایا اور کہا کہ تم موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرو تو جادوگر بھی سمجھدار لوگ تھے۔ وہ فرعون سے پوچھنے لگے کہ جناب! ہم مقابلہ تو کرتے ہیں اور مقابلہ بھی شاہی مقابلہ ہے، کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں ہے لہٰذا آپ بتائیے کہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو پھر ہمیں جیتنے کے نتیجے میں کیا انعام ملے گا۔ فرعون نے جواب دیا کہ اگر تم جیت گئے تو اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ کہ اس کے نتیجے میں تم میرے مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ معلوم ہوا کہ مقربین میں شامل ہو جانا سب سے بڑا انعام ہوتا ہے اور سارے انعامات اس انعام میں شامل ہوتے ہیں۔

عقلمند بیوی:

سبکتگین بادشاہ اپنی ایک بیوی سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ایک مرتبہ اس کی دوسری بیویوں نے اس سے کہا کہ آپ اپنی فلاں بیوی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں حالانکہ حسن میں ہم اس سے زیادہ ہیں، سمجھداری میں بھی ہم ان سے زیادہ ہیں آخر ان میں کونسی ایسی خاص بات ہے، ہمیں تو اس کے اندر کچھ نظر نہیں آتا۔مگر آپ کی محبت کی نگاہیں جو اس پر اٹھتی ہیں وہ کسی دوسری بیوی پر نہیں اٹھتیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ بادشاہ نے کہا، اچھا، میں کبھی اس بات کا جواب دے دوں گا۔اس کے بعد اس کی بیویاں یہ بات بھول گئیں۔

ایک دن سبکتگین نے اپنے گھر کے صحن میں بیٹھ کر کہا کہ آج میں بڑے اچھے موڈ میں ہوں اس لئے آج میں چاہتا ہوں کہ میں تم میں سے ہر ایک کو اچھے اچھے انعام سے نوازوں۔وہ یہ بات سن کر خوش ہو گئیں کہ آج ہمیں شاہی خزانے سے انعام ملے گا۔صحن میں سونے چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔بادشاہ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ اس صحن میں جو چیزیں پڑی ہوئی ہیں ان میں سے جس چیز پر جو بیوی بھی ہاتھ رکھ لے گی اس کو وہ چیز انعام کے طور پر دے دی جائے گی۔چنانچہ جس وقت میں اشارہ کروں تم دوڑ کر اپنی پسند کی چیز پر ہاتھ رکھ لینا۔بیویاں تیار ہو گئیں اور انہوں نے اپنی اپنی پسند کی چیزوں پر نگاہیں جما لیں۔کسی نے یاقوت کے اوپر، کسی نے ہیرے کے اوپر، کسی نے سونے کے اوپر اور کسی نے چاندی کے اوپر۔بادشاہ نے اشارہ کیا تو بیویوں نے دوڑ کر اپنی اپنی پسندیدہ چیزوں پر ہاتھ رکھ لئے۔لیکن وہ بیوی جس پر اس کی محبت کی خاص نظر رہتی تھی وہ اپنی جگہ کھڑی رہی۔جب سب نے دیکھا کہ ہم نے قیمتی چیزوں پر ہاتھ رکھ لئے ہیں مگر اس نے کسی چیز پر ہاتھ نہیں رکھا تو وہ ہنسنے لگیں اور بادشاہ سے کہنے لگیں، بادشاہ سلامت! ہم کہا کرتی تھیں

کہ یہ بے وقوف ہے اور اس کے اندر عقل کی کمی ہے، اور آج اس کی عقل کی کمی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ یہ تو بس سوچتی ہی رہی لہٰذا آج اس کے پلے کچھ نہیں آئے گا۔

بادشاہ نے اس سے پوچھا، اے اللہ کی بندی! تو نے کسی چیز پر ہاتھ کیوں نہ رکھے؟ وہ کہنے لگی بادشاہ سلامت! میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ نے یہی کہا ہے ناں کہ جو جس چیز پر ہاتھ رکھ لے گی وہ چیز اسی کی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے کہا، ہاں یہی تو میں نے کہا ہے۔ اس نے یہ سنا تو آگے بڑھی اور بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ لئے۔ وہ کہنے لگی، بادشاہ سلامت! جب آپ میرے ہو گئے تو پھر سارا خزانہ میرا بن گیا۔

بادشاہ نے اس کی یہ بات سن کر اپنی دوسری بیویوں سے کہا کہ دیکھو، اس کی اس عقلمندی اور محبت کی وجہ سے میں اس کے ساتھ زیادہ محبت کرتا تھا۔

اگر ایک باندی یہ سمجھتی ہے کہ میں بادشاہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ لوں تو وہ میرا بن جائے گا اور اس طرح سب کچھ میرا ہو جائے گا۔ اللہ والے بھی اسی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ہو گئے تو پھر تمام چیزیں ہماری ہو جائیں گی۔ اسی لئے فرمایا گیا من کان للہ کان اللہ لہ کہ جو اللہ کا بن جایا کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس بندے کے بن جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیں اور من کان للہ کے مصداق بن جائیں، پھر اللہ تعالیٰ ہمارے بن جائیں گے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہمارے ہو جائیں گے تو پھر ہمیں زندگی گزارنے کا سلیقہ آ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی ذات سے نسبت عطا فرما دے۔ اس کی قدر دانی کی توفیق عطا فرما دے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ہمیں سرخروئی نصیب فرما دے۔

و اخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلاف کے حیرت انگیز واقعات

از افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا کہ فتنے اور ظلمت کے دور میں ایمان کی حفاظت کیلئے کونسا نسخہ اکسیر ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا اولیاء اللہ کے احوال و واقعات کا پڑھنا، یہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، ہر دور اور ہر زمانے میں پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُا

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ .

و قال رسول الله ﷺ اَلْبَرَكَةُ مَعَ اَكَابِرِكُمْ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

اللہ کے لشکر:

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ فتنے اور ظلمت کے دور میں ایمان کی حفاظت کے لئے کونسا نسخہ اکسیر ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا، اولیاء اللہ کے احوال واقوال کا پڑھنا۔ یہ اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، ہر دور اور ہر زمانے میں پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف ؒ سے پوچھا گیا کہ جس وقت دنیا میں اولیائے کرام کا وجود نہیں ہوگا اس وقت ہمیں کیا کرنا چاہئے جس کی وجہ سے ہم لغویات سے دور رہ سکیں۔ آپ نے فرمایا، اولیائے کرام کے حالات کا ایک جز روزانہ پڑھ لیا کرنا۔

آج علم وعمل کی تنزلی کا دور ہے۔ ہر شخص کاروبار حیات میں اس قدر مصروف ہو گیا ہے کہ مشائخ کی صحبت میں جانے اور طاعت وعمل کی زندگی کو اپنانے میں سو طرح کے عذر کرتا ہے۔ ان حالات میں اگر اللہ والوں کی زندگی کے حالات و واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ غافل دلوں کو جگانے کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فیض:

پہلے کسی محفل میں دارالعلوم دیوبند کا تاریخی پس منظر بیان کیا تھا۔ اس ضمن میں ان حالات و واقعات کا ذکر کیا تھا جن کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کام کے لئے کچھ قربانیاں دی گئی ہوں اور اس کے کرنے والوں میں خلوص بھی انتہاء درجے کا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے ثمرات بھی ایسے ہی دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اس دارالعلوم سے بہت سی ایسی شخصیات فیض یاب ہو کر نکلیں کہ جن کے تقوی، خلوص عمل اور علمی کارنامے سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جی چاہتا تھا کہ کسی محفل میں دارالعلوم دیوبند کی فیض یافتہ ان شخصیات کے واقعات سنائے جائیں تا کہ ہمیں پتہ چلے کہ ہماری روحانی نسبت کن اسلاف سے جا کر ملتی ہے۔ چنانچہ آج اپنے اکابرین کے انہی واقعات کا تذکرہ کیا جائے گا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام خورشید حسن تھا۔ آپ 1248ھ میں ضلع سہارنپور کے قصبے نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اسد علی بن غلام شاہ نہایت پرہیزگار اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔ آپ بچپن سے ہی سعادت مند، ذہین، اور محنتی تھے۔ ابتدائی تعلیم قصبہ دیوبند میں حاصل کی پھر 1260ھ میں مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت شاہ

ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاجزادے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔ بعدازاں آپ شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور تصوف وسلوک کی منازل طے کرتے ہوئے خلعت خلافت حاصل کی۔ اس روحانی نسبت نے آپ کے باطنی جوہروں کو خوب نکھار دیا۔ آپ خوش مزاج اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے، حد درجہ منکسر المزاج، شہرت سے گریزاں، ریاء سے کوسوں دور تھے۔ علم وعمل، زہد وتقویٰ کے پہاڑ تھے اور بہت بڑے مناظر تھے۔ باطل قوتوں سے متعدد مناظرے کیے اور ہمیشہ کامیاب رہے۔ آپ اپنے دور کے ایک عظیم محدث اور سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔

آپ نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں اپنے رفقائے کار مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانویؒ اور حافظ ضامن شہیدؒ سے مل کر انگریزوں کے خلاف جہاد میں بھی حصہ لیا۔ انجام کار آپ کے کئی ساتھی شہید ہوئے اور کئی گرفتار ہو گئے۔

جنگ آزادی کی شکست کے بعد آپ نے احیائے دین کا کام دوسرے انداز میں شروع کیا اور دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی جہاں سے بے شمار تشنگان علم نے فیض پایا۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جو علم وعمل کی دنیا میں ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ اس دارلعلوم کے فضلاء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثانی، مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی عزیز الرحمٰن عثانی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہزاروں مشاہیر شخصیات نکلیں جنہوں نے ایک عالم کو اپنے فیض سے منور کیا۔ بالآخر علم وعمل کا یہ آفتاب 4 جمادی الاول 1297ھ بروز جمعرات ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

اتباع سنت:

1857ء میں جب گورنمنٹ کی طرف سے گرفتاریاں ہوئیں تو آپ صرف تین دن روپوش رہے۔ اس کے بعد لوگوں کے اصرار کے باوجود انکار فرمادیا کہ تین دن سے زیادہ روپوش رہنا خلاف سنت ہے۔ حضور اکرم ﷺ بھی غار ثور میں تین دن ہی مقیم رہے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ذوش کے سپاہیوں سے مسجد میں ہی ملاقات ہوگئی تو انہوں نے آپ ہی سے پوچھا، مولانا قاسم نانوتوی صاحب کہاں ہیں؟ آپ نے دو قدم پیچھے ہٹ کر اسی جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، ابھی تو یہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دین کا بڑا کام لینا تھا اس لئے ہاتھ نہ آئے۔

ایک ماہ میں حفظ:

ایک مرتبہ آپ قطب عالم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حج کے لئے جا رہے تھے۔ قافلے میں کوئی حافظ نہ تھا۔ رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا۔ آپ روزانہ ایک پارہ حفظ کر کے رات کو تراویح میں سنا دیتے۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلا اور صرف ایک ماہ کی مختصر مدت میں پورا قرآن پاک حفظ بھی کر لیا۔

علمی کمال کی پانچ وجوہات:

حصول علم میں ادب اور تقویٰ کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہی کتابیں پڑھی تھیں جن کو سب پڑھتے ہیں پھر ان کو اتنا علم کہاں سے آیا؟ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں کئی چیزوں کو دخل ہے ایک تو مولانا طب کی رو سے معتدل مزاج تھے، دوسرے یہ کہ ان کو استاد بڑے کامل ملے یعنی مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا علم و فضل کسی سے مخفی نہیں، تیسری یہ بات کہ متقی اعلیٰ

درجہ کے تھے، چوتھی بات یہ کہ ان میں استاد کا ادب بہت زیادہ تھا، پانچویں بات یہ کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے کامل پیر ملے۔

استاذ کا ادب:

ادب کی یہ کیفیت تھی کہ مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب بیماری میں آپ کے پاس آتے تو آپ اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب نے دریافت کیا، حضرت! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا، حضرت! اس لئے کہ آپ میرے استاذ ہیں۔ انہوں نے کہا، میں کہاں استاذ ہوں؟ فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی کام میں مصروف تھے تو آپ سے فرمایا تھا کہ ذرا ان کو کافیہ کا سبق پڑھا دو۔ اس لئے آپ میرے استاذ ہوئے۔

پیر کے ہم وطن آدمی کا احترام:

تھانہ بھون کے ایک شخص کو اہل علم سے محبت تھی۔ اس نے حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ ایک دفعہ میں دیوبند میں مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ مولانا نے فارغ ہو کر پوچھا، کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا، تھانہ بھون سے آیا ہوں۔ یہ سن کر گھبرا کر فرمایا کہ بے ادبی ہوئی، وہ تو میرے پیر کا وطن ہے۔ آپ آئے اور میں بیٹھا رہا آپ مجھ کو معاف کیجئے۔

ادب کی انتہاء:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کا ذکر فرماتے تھے کہ میں نے اپنا ایک مسودہ مولانا کو نقل کے لئے دیا۔ ایک مقام پر املا میں غلطی ہوگئی تھی۔ مولانا اس مسودہ کو نقل کر کے لائے تو اس لفظ کی جگہ بیاض میں

خالی چھوڑ دی۔ صحیح بھی نہیں لکھا کیونکہ یہ تو شیخ کے کلام کی اصلاح تھی اور غلط بھی نہیں لکھا کہ یہ علم کے خلاف تھا اور عمداً خطا کی اور آ کر فرمایا کہ اس جگہ پڑھا نہیں گیا۔ غلطی کی نشاندہی نہیں کی۔ غرض یہ تھی کہ دیکھ کر غلطی درست کر دیں۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے قلم سے کاٹ کر درست کر دیا۔

توجہ کا اثر:

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے علم کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا، ایک دفعہ میں صبح کی نماز میں سورۃ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر سے گزرا کہ میں تحمل نہ کر سکا۔ قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے مگر وہ دریا جیسا ایک دم آیا ویسے ہی ایک دم نکل گیا۔ نماز کے بعد غور کرنے پر منکشف ہوا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ان ساعتوں میں میرٹھ میں میری طرف متوجہ ہوئے تھے۔ یہ ان کی توجہ کا اثر تھا۔ پھر فرمایا، اللہ اکبر، جس شخص کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا قلب میں موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہو جائے تو خود اس شخص کے اپنے قلب کی وسعت وقوت کا کیا حال ہوگا کہ جس میں وہ خود علوم سمائے ہوئے ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی ہیبت:

ایک دفعہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ سے دریافت فرمایا، کونسی کتابیں پڑھتے ہو؟ حضرت تھانوی رحمہ اللہ پر اس قدر رعب غالب ہوا کہ کتابوں کے نام بھول گئے۔ پھر آپؒ نے دوسری باتیں شروع کیں تاکہ ہیبت کا اثر کم ہو جائے اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی طبیعت کھل جائے۔ چنانچہ بعد میں فرمایا کہ ایک ہوتا ہے پڑھنا دوسرا ہوتا ہے رسوخ حاصل کرنا۔ محض پڑھنا کافی نہیں بلکہ

رسوخ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر ایک مثال بیان فرمائی۔ ایک حافظِ ہدایہ تھے مگر سمجھ کر نہ پڑھی تھی۔ ایک دوسرے عالم تھے جنہوں نے سمجھ کر پڑھی تھی، ان سے کہا کہ ایک مسئلہ ہدایہ میں ہے۔ حافظ ہدایہ نے انکار کیا کہ یہ مسئلہ ہدایہ میں نہیں ہے میں تو ہدایہ کا حافظ ہوں۔ مگر جب دوسرے نے کتاب کھول کر عبارت پڑھ کر استنباط کیا تو حافظِ ہدایہ حیران رہ گئے۔ اتنا فرما کر حضرت حکیم الامت تھانوی ﷫ سے فرمایا یہ فرق ہے پڑھنے اور رسوخ حاصل کرنے میں۔

نرمی سے نصیحت:

ایک خان صاحب حضرت نانوتوی ﷫ کے بڑے دوست تھے مگر لباس ان کا خلاف شریعت تھا۔ وہ جمعہ کے دن آپ کے پاس آ کر غسل کرتے، کپڑے بدلتے اور پھر نماز جمعہ پڑھتے۔ ان کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ سخت طبیعت کے آدمی ہیں کہنے سے نہیں مانیں گے۔ حضرت نانوتوی ﷫ نے ایک جمعہ کو ان سے فرمایا کہ میاں آج دو جوڑے لیتے آیئے۔ جب ہمارے دلوں میں محبت اتنی ہے تو پھر ہم بھی تمہاری وضع کا لباس پہنیں گے۔ وہ صاحب بے حد متاثر ہوئے اور عرض کیا کہ خدا نہ کرے آپ مجھ خبیث کی وضع پر رہیں۔ آپ ہی مجھ کو ایک جوڑا دیجئے میں اس کو پہنوں گا۔ اس شخص نے ہمیشہ کے لئے اس لباس سے توبہ کر لی۔

تقلید کی ضرورت:

ایک غیر مقلد نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی ﷫ کی تقریر سن کر کہا کہ آپ مجتہد ہو کر تقلید کرتے ہیں۔ مولانا ﷫ نے فرمایا کہ مجھ کو اس سے زیادہ اس پر تعجب ہے کہ آپ غیر مجتہد ہو کر تقلید نہیں کرتے۔ اس بات سے اس شخص نے تقلید کی ضرورت سمجھ لی کہ جب اتنا بڑا شخص مقلد ہے تو ہم کس شمار میں ہیں؟ معلوم ہوا کہ

جس قدر علم بڑھتا ہے تقلید کی ضرورت اور زیادہ محسوس ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان کے سامنے ایسے مواقع بہت آتے ہیں جہاں اپنی رائے کام نہیں دیتی۔

شانِ مسکنت:

ایک طالب علم نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شرط پر منظور ہے کہ خود کچھ مت پکانا، گھر میں جو تمہاری روٹیاں مقرر ہیں وہی ہم کو بھی کھلا دینا۔ اس نے منظور کرلیا۔ یہ ہے شان مسکنت اور غربت وانکساری اور عاجزی کہ اتنا بڑا شخص اور اس طرح اپنے کو مٹائے ہوئے تھا۔

شانِ استغنا:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بریلی کے ایک رئیس نے غالباً چھ ہزار روپیہ پیش کیا کہ کسی نیک کام میں لگا دیجئے۔ فرمایا کہ لگانے کے بھی تم ہی اہل ہو تم ہی خرچ کر دو۔ اس نے عرض کیا کہ میں کیا اہل ہوتا۔ فرمایا، میرے پاس اس کی دلیل ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اہل سمجھتے تو مجھ کو ہی عنایت فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ امرا کو استغنا کی چھری سے ذبح کرتے تھے۔

تواضع:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ میرٹھ میں مثنوی شریف پڑھاتے تھے۔ ایک مجذوب بھی شریک ہوتے تھے۔ وہ کئی روز تک مثنوی سن کر کہنے لگے، مولانا اگر مجذوب ہوتے تو کیا اچھا ہوتا۔ ایک مرتبہ انہوں نے محبت سے کہا، حضرت! میں آپ کو توجہ دینا چاہتا ہوں ذرا بیٹھ جائیے۔ ان کی نیت یہ تھی کہ کیفیت محمودہ کا آپ پر القا کریں۔ آپ متواضع بن کر بیٹھ گئے وہ متوجہ ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں گھبرا کر کہنے لگے، حضرت! بڑی گستاخی ہوئی، معاف کیجئے، مجھ کو کیا خبر تھی کہ آپ کتنی

بلندی پر پہنچے ہوئے ہیں۔

فن تعبیر میں مہارت:

ایک زمانہ میں مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکاری سکول میں ملازمت کے لئے گورنمنٹ کے یہاں درخواست دے رکھی تھی۔ اسی زمانے میں خواب دیکھا کہ بریلی سے کچھ بطیں ان کے مکان کی طرف آ رہی ہیں۔ یہ خواب مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا، اگر مٹھائی کھلاؤ تو اور تعبیر ہے اور مٹھائی نہ کھلاؤ تو اور تعبیر ہے۔ انہوں نے مٹھائی کھلانے کا وعدہ کیا تو فرمایا جاؤ تم بریلی میں بیس روپے کے ملازم ہو جاؤ گے۔ اس کی حقیقت پوچھنے پر فرمایا کہ لفظ بط کے عدد فارسی کے اعتبار سے گیارہ ہیں۔ ب کے دو اور ط کے نو عدد ہیں۔ مگر اس میں ط مشدد ہے۔ میں نے اس کو مکرر لے کر بیس سے تعبیر دی۔ چنانچہ مولانا منیر کو بیس روپے کی ملازمت مل گئی۔

ایک سوال دو جواب:

ایک صالح شخص کو لوگوں نے کسی عورت کے حسن و جمال کا تذکرہ کر کے اس کا عاشق بنا دیا۔ اس شخص نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ میں اس عورت سے نکاح کرلوں یا نہیں؟ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہرگز نکاح نہ کرو تم شریف خاندانی ہو اور وہ بازاری عورت ہے۔ اس سے نسل پر برا اثر پڑے گا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مشورہ دیا کہ نکاح کرلو۔ مولانا اس شخص کی حالت سے متاثر ہو گئے اور یہ سمجھے کہ اس کی یہ بے قراری تب زائل ہوگی جب اس سے نکاح کرے گا۔ دونوں کامل الاخلاق تھے اور دونوں اس کی حالت سے متاثر ہوئے مگر ایک غالب الاخلاق تھے ایک

مغلوب الاخلاق تھے۔اور یہ امر غیر اختیاری ہے۔اس میں کسب کو دخل نہیں۔حق تعالیٰ جس کو چاہیں غالب الاخلاق کر دیتے ہیں اور جس کو چاہیں مغلوب الاخلاق کر دیتے ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ ایک ہی شخص ایک خلق پر غالب اور دوسرے خلق سے مغلوب ہوتا ہے۔ یہ بھی غیر اختیاری ہے اگرچہ کمال یہ ہے کہ سالک غالب الاخلاق ہو۔

خدام کی خدمت:

ایک دفعہ ایک درویش حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درویشی کا امتحان لینے بڑے تزک واحتشام سے آئے۔ بہت سے گھوڑے اور خادم بھی ساتھ تھے۔حضرتؒ نے سب کی دعوت کی۔شاہ صاحب کے نوکروں اور خادموں کو اپنے ہاتھ سے اسی شان کے برتنوں میں کھانا کھلایا جیسے برتنوں میں خود کھاتے تھے۔وہ درویش حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ انکسار اور خلق دیکھ کر آپ کے کمال کے قائل ہو گئے۔

مطبع میں ملازمت:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے پرنٹنگ پریس میں ملازمت کی درخواست پیش کی۔آپ نے فرمایا،علمی لیاقت تو مجھ میں ہے نہیں،البتہ قرآن مجید کی تصحیح کر لیا کروں گا،اس میں دس روپے دے دیا کرو۔اللہ اللہ کیا ہی تواضع اور زہد ہے۔اسی زمانے میں ریاست بہاولپور سے تین سو روپیہ ماہوار کی نوکری کی پیش کش ہوئی۔مولانا نے جواب میں لکھا کہ

"آپ کی یاد فرمائی کا شکر گزار ہوں مگر مجھے یہاں دس روپے ملتے ہیں جس میں پانچ روپے تو میرے اہل وعیال کے لئے کافی ہو جاتے ہیں اور

باقی پانچ روپے بچ جاتے ہیں۔ آپ کے یہاں سے جو تین سو روپیہ ملیں گے ان میں سے پانچ روپے تو خرچ ہوں گے اور دو سو پچانوے روپے جو بچیں گے میں ان کا کیا کروں گا؟ مجھ کو ہر وقت ہی فکر لگی رہے گی کہ ان کو کہاں خرچ کروں؟ لہٰذا میں آنے سے معذور ہوں''۔ غرض آپ تشریف نہیں لے گئے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بے تکلفی:

ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جتنی محبت پیروں کے ساتھ مریدوں کو ہوتی ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجھ کو اتنی نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر ادھر ادھر کی باتیں کر کے فرمایا کہ اب تو ماشاء اللہ آپ کی حالت باطنی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لا حول ولا قوۃ استغفر اللہ بھلا کہاں حضرت اور کہاں میں......!!!

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

پھر فرمایا، کہ مجھے اس بات سے بڑی تکلیف ہوئی اور بڑا صدمہ ہوا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خیر آپ ان سے بڑھے ہوئے نہ سہی لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ تکلیف آپ کو کیوں ہوئی؟ آپ تو کہتے تھے مجھے حضرت سے محبت نہیں ہے۔ اگر محبت نہیں تھی تو یہ صدمہ کیوں ہوا؟ ویسے ہی اپنی فضیلت کی نفی کر دیتے۔ بس یہی محبت ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی تم بڑے استاذ ہو۔ دونوں حضرات میں آپس میں بہت بے تکلفی پائی جاتی تھی۔

حجر اسود کسوٹی ہے:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حجر اسود کسوٹی ہے اس کو

چھونے سے انسان کی اصلی حالت ظاہر ہوتی ہے اگر واقعی فطرتاً صالح ہے تو حج کے بعد اعمال صالحہ کا غلبہ ہوگا اور اگر فطرت طالح ہے، محض تصنع سے نیک بنا ہوا ہے تو حج کے بعد اعمال سیئہ کا غلبہ ہوگا۔ اس لئے حاجی کی حالت خطرناک ہے اور اس خطرہ کا علاج یہ ہے کہ حاجی زمانہ حج میں اللہ تعالیٰ سے اپنی اصلاح کی خوب دعا کرے اور دل سے اعمال صالحہ کے شوق کی دعا کرے اور حج کے بعد اعمال صالحہ کا خوب اہتمام کرے۔

اسلام کی محبت سے خاتمہ بالخیر:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک ہندو بنیا رہتا تھا اس کی دکان سے آپ کے یہاں سودا بھی آتا تھا۔ اس کا انتقال ہوگیا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے خواب میں دیکھا کہ جنت میں گشت کر رہا ہے۔ پوچھا، لالہ جی! تم یہاں کیسے پہنچے؟ تم تو ہندو تھے بت کی پوجا کرتے تھے، جنت تو مسلمان کے لئے ہے۔ اس نے کہا، مولوی جی! آپ کی صحبت سے مجھے اسلام سے محبت ہوگئی پھر جب میں مرنے لگا تو لوگوں نے کہا، اُن کی ہی کہہ لے جان آسانی سے نکل جائے گی۔ اب تک فرشتے سامنے نہیں آئے تھے۔ میں نے دل میں کلمہ پڑھ لیا۔ پھر وہ قبول ہوگیا اور میں جنت میں پہنچ گیا۔

طلب صادق ہو تو ایسی:

ایک صاحب تھے دیوان جی "اللہ دیا"۔ انہوں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا گنگوہ جا کر حضرت گنگوہی سے بیعت ہو جاؤ۔ عرض کیا، بہت اچھا۔ گنگوہ پہنچے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے پھر واپس دیوبند آئے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پھر بیعت کی درخواست کی۔

حضرتؒ نے فرمایا، میں نے تو تم سے کہا تھا کہ گنگوہ جا کر حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہو جاؤ۔ عرض کیا، میں بیعت ہو آیا ہوں اور جہاں جہاں آپ فرمائیں گے وہاں جا کر بیعت ہو آؤں گا۔ مگر دل سے تو آپ ہی سے بیعت ہوں گا۔ کیا ہی ٹھکانہ ہے اس تعلق و محبت کا۔ آخر حضرت نانوتویؒ نے اس کو بیعت فرما لیا۔ دیکھئے کیا لطیف ادب و اطاعت ہے۔

تکبیر اولیٰ کے فوت ہونے پر افسوس:

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں جب مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو غالباً عصر کی نماز میں ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر جا کر کھڑے ہوئے۔ مخلوق کے اژدحام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث باوجود عجلت کے جس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ جماعت میں شریک ہوئے تو قرأت شروع ہو گئی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اداس سے تھے اور چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا۔ اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے کہ افسوس بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی۔

عاجزی وانکساری:

ارواح ثلاثہ میں مولانا امیر الدین صاحب کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ بھوپال سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ملازمت کی پیشکش ہوئی اور پانچ سو روپے تنخواہ مقرر کی گئی۔ جب آپ سے جانے کے لئے اصرار کیا گیا تو فرمایا وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانچ سو روپے دیتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا۔ پھر کس بنا پر جاؤں گا۔ بہت اصرار کے باوجود تشریف نہیں

لے گئے۔

حصول علم کی ایک عجیب صورت:

ارواح ثلاثہ میں لکھا ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حیدر آباد کے دو نواب زادے پڑھنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ حضرت کبھی کبھی ان سے پاؤں دبوایا کرتے تھے ایک بار فرمایا، مجھے تو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ان سے پاؤں دبواؤں مگر علم اسی طرح آتا ہے۔

کھانے میں تواضع:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے طالبعلمی کے زمانہ میں مکان میں تنہا ایک جگہ رہتے تھے۔ روٹی بھی پکوا لیتے تھے تو کئی کئی وقت تک کھا لیتے تھے۔

مطالعہ میں دلچسپی:

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ آپ اس قدر محنتی تھے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں شاید سات آٹھ گھنٹے بمشکل سونے کھانے اور دیگر ضروریات میں خرچ ہوتے ہوں گے اور اس کے علاوہ سارا وقت ایسی حالت میں گزرتا تھا کہ کتاب نظر کے سامنے اور خیال مضمون کی تہہ میں ڈوبا جاتا تھا۔ مطالعہ میں آپ اس درجہ محو ہوتے تھے کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا تو آپ کو خبر نہ ہوتی۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے آپ سو گئے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ رات کھانا نہیں کھایا تھا۔ مدرسہ کو آتے جاتے آپ کبھی ادھر ادھر نہ دیکھتے تھے، لپکے ہوئے جاتے تھے اور جھپٹے ہوئے آتے تھے۔

کلمہ طیبہ کی برکت:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا تو

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی سہ دری میں ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اٹھا کر کنویں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کنویں کا پانی تو کڑوا نہیں بلکہ میٹھا ہے۔ میں نے وہ پیالہ پیش کیا۔ حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا، اچھا اس کو رکھ دو۔ نماز کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیبہ جس قدر ہو سکے پڑھو اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ بعد میں حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ اس کے بعد پیالہ اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اس وقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس پیالے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب الٰہی رفع ہو گیا۔

کمالِ استغنا:

ایک مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ چھتہ کی مسجد کے متصل حجرہ کے سامنے حجامت بنوا رہے تھے کہ شیخ عبدالکریم رئیس میرٹھی آپ سے ملنے کے لئے دیوبند آئے۔ حضرت نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے ساتھ رخ دوسری طرف پھیر لیا گویا کہ دیکھا ہی نہیں۔ وہ آ کر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہاتھ میں رومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپے تھے۔ جب انہیں کھڑے ہوئے بہت دیر گزر گئی تو حضرتؒ نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ آہا! شیخ صاحب ہیں، مزاج اچھا ہے۔ انہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لئے اور وہ روپیہ بندھا ہوا قدموں میں ڈال دیا۔ حضرتؒ نے اسے قدموں سے الگ کر دیا۔ تب انہوں نے ہاتھ باندھ کر منت سماجت کی کہ قبول فرما لیں۔ بالآخر

بہت سے انکار کے بعد انہوں نے تمام روپیہ حضرتؒ کی جوتیوں میں ڈال دیا۔ حضرت جب اٹھے تو نہایت استغنا کے ساتھ جوتے جھاڑے اور روپیہ سب زمین پر گر گیا۔ حضرت نے جوتے پہن لئے اور حافظ انوار الحق سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی! ہم بھی دنیا کماتے ہیں اور اہل دنیا بھی دنیا کماتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے اور دنیا دار اس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی ہے۔ یہ فرما کر روپیہ وہیں تقسیم فرما دیا۔

تکلف سے اجتناب:

مولانا احمد حسن صاحب فرماتے ہیں کہ ایک جولاہے نے مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی۔ اتفاق سے اس روز بارش ہوگئی۔ اور وہ جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا خود اس جولاہے کے یہاں تشریف لئے گئے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت! چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اس لئے میں دعوت کا انتظام نہ کر سکا۔ مولانا نے فرمایا، انتظام کیا ہوتا ہے۔ تمہارے یہاں کچھ پکا بھی ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں، وہ تو موجود ہے۔ فرمایا کہ بس وہی کھالیں گے۔ چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا وہ خوشی تناول فرما کر تشریف لے آئے اور فرمایا بس جی یہ تمہاری دعوت ہوگئی۔

قصہ ذہانت:

ایک انگریز حساب دان نے اشتہار دیا تھا کہ کوئی شخص مثلث کے زاویہ کو تین حصوں میں دلیل سے ثابت اور منقسم کر دے تو ڈیڑھ لاکھ روپے انعام ہے۔ اس پر مظفر نگر کے ایک جج صاحب نے بڑی کاوش اور محنت سے اس کو ثابت کیا اور کئی ماہرین ہندسہ نے جج صاحب کو مشورہ دیا کہ اس کو شائع کر دیں اور ڈیڑھ لاکھ

روپے کا انعام وصول کرلیں۔ مگر جج صاحب کا اصرار تھا کہ حضرت نانوتوی صاحب ﷺ اگر ملاحظہ فرما کر تصدیق کر دیں تو شائع کروں گا۔ اتفاق سے حضرت مظفرنگر تشریف لے گئے اور واپسی میں ریل پر سوار ہونے کے لئے جب اسٹیشن پر تشریف لائے تو گاڑی میں دس بارہ منٹ باقی تھے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب نے جو حضرت گنگوہیؒ کے بعد میں خاص خدام ہو گئے تھے۔ جج صاحب کی تمنا ظاہر کی۔ انہیں خیال تھا کہ حضرت اس تحریر کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ حضرت نے گاڑی کے انتظار میں کھڑے کھڑے سرسری نظر سے اسے دیکھا اور فرمایا کہ اس کا فلاں مقدمہ نظری ہے حالانکہ اقلیدس کے تمام مقدمات کی انتہا بدیہات پر ہوتی ہے۔ چونکہ وہ صاحب فن تھے فوراً سمجھ گئے اور اشتہار دینا ملتوی کر دیا۔

بچپن کا ایک خواب:

آپ نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوں تو ان کے دادا نے جو خواب کی تعبیر کے ماہر تھے یہ تعبیر بتائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائیں گے اور بہت بڑے عالم ہو گے۔

کھیل میں سب سے اوّل:

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے پڑھنے میں سب سے بڑھ کر رہتے تھے ہر کھیل میں خواہ ذہانت کا ہو خواہ محنت کا ہو سب سے اوّل اور غالب رہتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک کھیل جوڑ توڑ کے نام سے کھیلا جاتا تھا۔ بہت پرانے مشاق لوگ کھیلتے تھے جب کہ نئے کھیلنے والے مات کھا جاتے تھے۔ حضرت نے جب اس کا قاعدہ معلوم کر لیا تو پھر کسی سے مات نہ کھائی۔ بہت ہوا تو دونوں برابر ہو گئے۔ ہر کھیل میں جو مرتبہ کمال ہوتا تھا وہاں تک پہنچا کر اس کو چھوڑتے تھے۔

دین کا فیض جاری ہونے کی بشارت:

ایام طالب علمی میں آپ نے ایک اور خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے جسم سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ اپنے استاذ حضرت مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ہندوستان میں بعض حضرات سبز رنگ کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے اور اب بھی پہنتے ہیں۔ لیکن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا جوتا مدت العمر کبھی نہیں پہنا اور اگر کوئی ہدیہ میں لا دیتا تو اس کے پہننے سے اجتناب کرتے۔ صرف اس لئے کہ سرور کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا کا رنگ سبز ہے۔ پھر ایسے رنگ کے جوتے پاؤں میں کیونکر استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"تمام عمر سبز رنگ کا جوتا اس وجہ سے نہ پہنا کہ قبر مبارک سبز رنگ کی ہے اور اگر کوئی ہدیہ لے آیا تو آگے کسی دوسرے کو دے دیا"

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دور ہی سے ننگے پاؤں چلنا شروع کر دیا۔ آپ کے ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ جوتا پہن کر چلیں۔ حالانکہ وہاں سخت نوکیلے اور چبھنے والے پتھروں کی بھرمار تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، جناب مولانا حکیم منصور علی خانؒ صاحب کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں جو اس سفر حج میں حضرت نانوتویؒ کے رفیق سفر تھے کہ

"مولانا مرحوم مدینہ منورہ تک کئی میل پہلے سے شب تاریک میں اسی طرح

چل کر پاؤں برہنہ پہنچ گئے"

اسلام کا بول بولا:

شاہجہاں پور میں اہل اسلام اور مختلف باطل فرقوں کا مناظرہ اور مباحثہ طے ہوا۔ جس میں ہندوؤں کے بہت سے رہنما اور اہل اسلام کی طرف سے متعدد علمائے حق اور مشاہیر اس وقت اس مقام پر موجود تھے۔ مگر مناظرہ پادریوں اور مسلمانوں کا ہوا۔ اس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مناظر تھے۔ انہوں نے عقلی و نقلی رنگ میں ایسی صحیح اور قطعی دلیلیں پیش فرمائیں کہ پادری صاحبان سے ان کا کوئی معقول جواب ہی نہ بن پڑا اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

آریہ سماج کے فتنے کا تدارک:

انگریزوں کے چہیتے، ہندوؤں اور آریاؤں کے کرتا دھرتا سوامی دیانند جو اپنے منطقیانہ اور فسلفیانہ دلائل میں مشہور تھا۔ اس نے اپنی ایک کتاب میں قرآن کریم کی بسم اللہ سے لے کر والناس تک کی تمام سورتوں پر اعتراضات کیے اور ان کی کمی و خامی بتلائی ہے۔ (العیاذ باللہ) وہ ہر مقام پر اہل اسلام کو جواب کے لئے للکارتا تھا۔ چنانچہ اپنا تبلیغی دورہ کرتا ہوا رڑکی جا پہنچا۔ وہاں اسلام کے خلاف دل کھول کر زہر اگلتا رہا۔ اس کے اعتراضات کے جواب حضرت شیخ الہند اور مولانا حافظ عبدالعدل صاحبؒ نے کئی روز سربازار دیے اور پنڈت جی اور ان کے حواریوں کو غیرت دلائی۔ ان کے مذہب پر اعتراضات کیے کہ اب جواب دو۔ مگر پنڈت جی اور ان کے شاگردوں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ ان کو ایسا سانپ سونگھ گیا کہ وہ ملنے سے ہی رہے۔ آخر حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ اچھا پنڈت جی بمع اپنے شاگردوں اور معتقدوں کے میرا وعظ ہی سن لیں۔ مگر وہ وعظ میں تو کیا آتے رڑکی

سے بھی چل دیئے اور ایسے گئے کہ پتہ بھی نہ چلا۔ بالآخر حضرت نے تین روز تک برسر بازار وعظ فرمایا۔ وہ دلائل مذہب اسلام کے حق ہونے پر بیان فرمائے کہ سب حیران تھے۔ اہل جلسہ پر سکتہ کا عالم تھا۔ ہر شخص متاثر معلوم ہوتا تھا۔ پنڈت جی کے اعتراضات کے وہ دندان شکن جوابات دیئے کہ مخالف بھی مان گئے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سعادت ضلع سہارنپور کے قصبہ گنگوہ میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام مولانا ہدایت احمد ہے اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اور عربی و فارسی کی تعلیم گنگوہ میں ہی حاصل کی۔ ۱۲۶۱ھ میں دہلی میں کا سفر کیا اور مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ یہاں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی پہنچ چکے تھے، یوں علم و فضل کے یہ دونوں شمس وقمر اکٹھے ہو گئے اور تا حیات ایک ساتھ رہے۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان دونوں سے خاص محبت تھی۔ ذہانت و ذکاوت میں یہ دونوں حضرات دہلی میں مشہور ہو گئے۔ علم حدیث آپ نے خاندان ولی اللہی کے آخری چشم و چراغ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ 21 سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم وفنون میں تعلیم مکمل کر لی اور وطن واپس ہوئے۔

ایک مرتبہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے تو حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے دل میں بیعت کا ارادہ بن گیا۔ حضرت سے درخواست

کی تو انہوں نے پہلے تو انکار فرمایا بعد ازاں حضرت حافظ ضامن شہید ﷫ کی سفارش پر بیعت کر لیا۔ بیعت کے بعد ذکر و شغل شروع کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ "پھر تو میں مرمٹا"۔ حضرت حاجی صاحب نے آٹھویں دن ہی بلا کر فرمایا

"رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ میں نے آپ کو دے دی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے"

بیالیس دن حضرت کی خدمت میں رہنے کے بعد آپ نے وطن واپسی کی اجازت چاہی حضرت حاجی صاحب ﷫ نے آپ کو خلافت اور اجازت بیعت دے کر رخصت کیا۔ گنگوہ واپس آ کر آپ نے خانقاہ شاہ عبدالقدوس گنگوہی ﷫ کو جو تین سو سال سے ویران اور خستہ حال پڑی تھی مرمت کر کے آباد کیا۔ آپ رات دن ذکر و فکر میں مشغول رہتے، راتوں کو رویا کرتے تھے اور جو لحاف آپ اوڑھا کرتے تھے باران اشک سے داغدار ہو جاتا۔

آپ اپنے وقت کے فقہ و حدیث کے امام تھے۔ آپ کے علمی و روحانی کمالات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ کے فیض صحبت سے شیخ الہند مولانا محمود الحسن ﷫، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ﷫، حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوری ﷫ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی ﷫ جیسے نیر اعظم ہوئے ہیں۔

جب 1857ء کی جنگ آزادی کا واقعہ پیش آیا تو حکومت برطانیہ نے آپ کو بھی شبہ میں گرفتار کر لیا لیکن کوئی ثبوت نہ ملنے پر رہا کر دیا چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دین کا کام لینا تھا اس لئے حکومت آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکی۔ آپ نے تمام عمر دین کی خدمت میں گزاری۔ فتاویٰ رشیدیہ آپ کا علمی شاہکار ہے اور بھی کئی تصانیف لکھیں اور ہزاروں علماء و مشائخ آپ کے فیض علمی اور روحانی سے مستفید ہوئے۔ 9 جمادی الثانی 1323ھ مطابق 11 اگست

1905ء کو واصل بحق ہوئے۔

صحبت کی برکت:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی کیوں نہ ہو جونہی آپ کی صحبت میں بیٹھتے قلب میں ایک خاص قسم کا سکون اور ایسی جمعیت حاصل ہوتی کہ سب کدورتیں رفع ہو جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کے تمام مریدوں میں عقائد کی درستگی اور دین کی پختگی خصوصاً حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا بدرجہ کمال مشاہدہ کیا جاتا تھا۔ یہ سب برکت آپ کی صحبت ہی کی تھی۔

کسر نفسی اور اس کی وضاحت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ قسم کھائی کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے محض احباب کا حسن ظن ہے جو میرے ساتھ ہے۔ بعض مخلص لوگوں کو اس میں شک ہوگا کہ حضرت میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے لیکن اس قول سے آپ کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ پھر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی۔ پس حضرت نے اپنے کمالات موجودہ کو کمالات آئندہ کے سامنے لاشی خیال فرماتے تھے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کسی شخص کے پاس ایک ہزار روپے ہیں وہ لکھ پتیوں کے سامنے مالدار نہیں ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ کی بڑی عظیم الشان اور بے مثال درگاہ ہے۔ یہاں سے جو کچھ عطا ہو آگے کی ہوس کرنا چاہیے۔ کسی ایک مقام پر بس نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر مقام سے زیادہ قرب کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور جد و جہد نہ چھوڑنی چاہیے کیونکہ اس کے خزانہ میں کمی نہیں

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

بادشاہوں جیسی شان:

حضرت گنگوہی ﷫ کی یہ شان تھی کہ کوئی بھی پاس بیٹھا ہوتا آپ اشراق یا چاشت کا وقت آنے پر وضو کر کے وہیں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے۔ یہ بھی نہیں کہ کچھ کہہ کر اٹھیں کہ میں نماز پڑھ لوں یا اٹھنے کی اجازت لیں۔ جہاں کھانے کا وقت آیا عصا لیا اور چل دیئے چاہے کوئی نواب ہی کا بچہ بیٹھا ہو۔ بادشاہوں کی سی شان تھی۔ اول تو بات ہی کم کرتے تھے اور اگر کچھ مختصری بات کہنی ہوتی تو جلدی سے ختم کر کے تسبیح لے کر ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ کسی نے کوئی بات پوچھی تو جواب دے دیا اور اگر نہ پوچھی تو کوئی گھنٹوں بیٹھا رہے آپ خاموش رہتے

دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھنا:

ایک بار حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی ﷫ سے فرمایا کہ ایک بات پر بڑا رشک آیا ہے کہ آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے۔ ہماری نظر ایسی نہیں۔ بولے، جی ہاں! ہمیں کچھ جزئیات یاد ہو گئیں تو آپ کو رشک ہونے لگا اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں ہم نے کبھی آپ پر رشک ہی نہیں کیا۔ اس طرح کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ وہ انہیں اپنے سے بڑا سمجھتے اور یہ انہیں بڑا سمجھتے۔

تصوف کا حاصل:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم کو پہلے سے خبر ہوتی کہ تصوف میں اخیر کیا چیز حاصل ہوتی ہے تو میاں ہم کچھ بھی نہ کرتے۔ مدتوں کے بعد معلوم ہوا کہ جس کے لئے اتنے مجاہدات و ریاضت کئے تھے وہ ذرا سی بات تھی۔

حضرتؒ نے تو عالی ظرفی کی وجہ سے اس ذراسی بات کو نہیں بتلایا میں اپنی کم ظرفی کی وجہ سے بتلاتا ہوں کہ وہ ذراسی چیز کیا ہے جس کے حاصل ہونے کے لئے اتنی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ وہ یہی ہے کہ یہ تبدیلی تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور تعلق مع اللہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور تعلق مع اللہ کو بڑھانے والی ہے

گناہ ہو جائے تو توبہ کرلو:

حضرت حافظ ضامن صاحب ﷺ کے ایک خلیفہ تھے۔ ان کے یہاں ایک مرتبہ چوری ہوگئی۔ ان صاحب کا رئیسانہ مزاج تھا مگر اہل نسبت تھے۔ ان کے سامنے کسی نے ایک جولاہے کا نام لے دیا۔ وہ غازی تھا مگر کم وقعت تھا۔ ان صاحب نے اس کو بلایا، وہ ڈر گیا اور باتیں دریافت کرتے وقت خوف کی وجہ سے اس کے کلام میں لغزش ہوئی۔ اس وجہ سے اس پر کچھ شبہ ہوا اور ان صاحب نے اس کو مارا۔ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حقیقت حال بتائی۔ حضرت کو بہت ناگوار گزرا۔ آپؒ نے ان صاحب کو رقعہ لکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ سے سوال کریں کہ آپ نے اس غریب کو کس حجت شرعیہ سے مارا تو آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ اس جواب کو آپ تیار کرلیں۔

اس رقعہ کو پڑھ کر ان صاحب کا سر سے پاؤں تک سناٹا نکل گیا۔ پس گنگوہ پیدل پہنچے۔ حضرت اس وقت حجرے میں لیٹے تھے۔ باہر ایک طالبعلم بیٹھے تھے۔ ان صاحب نے اس طالب علم سے کہا کہ حضرت کو اطلاع کردو کہ ایک ناپاک کتا آیا ہے اگر منہ دکھانے کے قابل ہو تو منہ دکھائے ورنہ کسی کنوئیں میں ڈوب مرے تاکہ یہ عالم پاک ہو۔ طالب علم نے اطلاع کی۔ حضرت نے بلالیا۔ ان صاحب نے کہا، حضرت! میں تو تباہ ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا، کیوں قصہ پھیلایا ہے؟ گناہ ہوگیا ہے تو توبہ کرلو یہی علاج ہے۔

توسل کا مسئلہ:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے توسل کے مسئلہ میں اشکال تھا۔ اس کو حل کرنے کے لئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی نہ رہی تھی۔ سلام کے بعد میں نے اس خیال سے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سلام کی آواز سے مجھے پہچان لیا ہوگا عرض کیا کہ توسل۔ کے مسئلہ میں کچھ پوچھنا ہے۔ فرمایا کہ کون پوچھتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اشرف علی۔ فرمایا کہ تعجب ہے۔ بس اتنی گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور تھانہ بھون واپس آ گیا۔ مگر اس مسئلہ میں ایسا شرح صدر ہوا کہ کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ میں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ تصنیف کیا اس میں مسئلہ توسل کو خوب شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پائیدار دوستی کی علامت:

آج کل دوستی کا نام ہی رہ گیا ہے۔ ورنہ حقیقت تو قریب قریب مفقود ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حافظ محمد احمد صاحبؒ اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحبؒ حاضر تھے۔ جن کی دوستی مشہور ومعروف تھی۔ حضرتؒ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کبھی تم میں اور ان میں لڑائی بھی ہوئی ہے۔ عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی ہو جاتی ہے۔ فرمایا یہ دوستی پائیدار ہے۔ درخت وہ مستحکم ہوتا ہے کہ جس پر آندھی آ چکی ہو پھر اپنی جڑوں کو نہ چھوڑا ہو۔ بس دوستی بھی وہی ہے کہ باہم لڑائی بھی ہو جائے اور پھر تعلقات بھی باقی رہیں۔

حب جاہ کا نقصان:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شیخ اور مرید کا قصہ سنایا کہ مرید بہت عبادت و

ریاضت کرتا تھا۔ مگر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ شیخ نے بہت وظائف تبدیل کیے اور تدبیریں اختیار کیں لیکن اس کے باطنی حالات درست ہوتے نظر نہ آئے۔ پھر ایک تدبیر کی جو حب جاہ اور ظاہری عزت کے خلاف تھی۔ وہ یہ کام نہ کر سکا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ وہ طالب جاہ تھا۔ یہی طلب جاہ اس کے راستے کی رکاوٹ بن گئی تھی۔

بے ادبی تصوف میں رہزن ہے:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ایک عالم حضرت میاں نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں کچھ گستاخانہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ آخر کار متنبہ ہوئی۔ انہوں نے توبہ کی اور حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کر لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد تنہائی میں ان سے فرمایا کہ میاں اس طریق کی بنیاد اخلاص پر ہے۔ اس لئے تم سے بات چھپانا نہیں چاہتا۔ بات یہ ہے کہ جب میں تمہاری طرف متوجہ ہوتا ہوں تو تمہارے وہ سب کلمات جو تم نے پہلے کہے تھے میرے سامنے آ کر حائل ہو جاتے ہیں۔ ہر چند تمہیں نفع پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس کی صورت نہیں بنتی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم کسی اور سے بیعت کر لو۔ میں تمہاری سفارش کر دوں گا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان کے نزدیک یہ کوئی حسد و کینہ نہیں بلکہ غیر اختیاری امر ہوتا ہے۔ جس کا انسان مکلف نہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی رضی اللہ عنہ کو مسلمان ہونے کے بعد ہدایت فرمائی کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے۔ وہ تمہارے لئے مضر ہوگا۔

صاحب کشف کو دعا سے عار:

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حج کی غرض سے جس جہاز

میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سوار تھے اس میں ایک شخص اور بھی سوار تھا جو کئی مرتبہ پہلے بھی حج کو گیا تھا مگر اس کو حج نصیب نہ ہوا تھا۔ وہ شخص جہاز میں سوار تو ہو گیا مگر خبر ملی کہ حج کا وقت آخر ہو گیا ہے۔ اگر جہاز نے راستے میں پڑاؤ کیا تو وقت پر نہ پہنچ سکے گا۔ یہ سن کر وہ شخص وہیں اتر پڑا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حج ضرور مل جائے گا۔ مگر وہ شخص پھر بھی دوبارہ سوار نہ ہوا۔ کسی نے کہا اس کے لئے دعا فرمائیں کہ اس کو بھی حج کی توفیق نصیب ہو جائے۔ فرمایا، جی نہیں چاہتا اور دعا نہ فرمائی۔ جب جہاز کامران کے قریب پہنچا تو لوگوں نے جہاز کے کپتان سے کہا کہ اگر جہاز کامران میں کھڑا کیا تو ہم تم کو قتل کر دیں گے اور چھرا نکال کر خوب ڈرایا۔ کپتان نے ڈر کر جہاز سیدھا جدہ جا کر لگایا۔ کپتان پر اس وجہ سے کئی ہزار روپیہ جرمانہ ہوا۔ حجاج کو اتار دیا گیا کہ ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس جہاز میں نہ آتے تو اہل جہاز میں سے کسی کو بھی حج نصیب نہ ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کا مقام:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مرض موت میں مبتلا ہوئے تو بتقاضائے بشریت بچوں کی صغرسنی کا تردد ہوا۔ چنانچہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کس لئے فکرمند ہو جیسی تمہاری اولاد ویسی ہی میری اولاد۔ چنانچہ آنکھ کھلنے پر آپ کو اطمینان نصیب ہو گیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد عالم ہوئی اور بڑے مرتبے پر پہنچی اور تمام بیٹے بڑے صاحب کمال ہوئے۔

صبر ہو تو ایسا:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے جوان صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔ لوگ تعزیت کے

لئے آتے تو چپ بیٹھے رہتے کہ کیا کہیں؟ اہل اللہ کا رعب ہوتا ہے، کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ کہے اور آخر کہتے بھی تو کیا کہتے؟ اگر کہتے رنج ہوا تو اس کے اظہار کی کیا ضرورت تھی؟ اگر کہتے صبر کیجئے تو وہ خود صبر کئے بیٹھے تھے۔ آخر ہر جملہ خبریہ کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔ بڑی دیر کے بعد آخر ایک نے ہمت کر کے کہا کہ حضرت بڑا رنج ہوا۔ فرمایا معلوم ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر سارا مجمع چپ ہوگیا۔ لوگ آتے تھے اور چپ ہوکر بیٹھ کر چلے جاتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب ﷫ کے انتقال کا صدمہ حضرت گنگوہی ﷫ کو اس قدر ہوا تھا کہ دست لگ گئے تھے اور کھانا موقوف ہوگیا تھا لیکن کیا مجال کہ کوئی ذکر کر دے۔ حضرت تھانوی ﷫ فرماتے ہیں کہ میں بھی اس موقع پر حاضر ہوا۔ اب میں متحیر تھا کہ کیا کہوں؟ آخر چپ ہوکر بیٹھ رہا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر اتنے بڑے صدمات پڑے لیکن کیا مجال کہ کسی معمول میں ذرا سا فرق آجائے۔ چاشت، تہجد، اوابین، کوئی معمول قضا تو کیا کبھی مؤخر بھی نہیں ہونے پایا۔ یہاں تک کہ کھانا سامنے آیا تو اسے بھی اللہ کی نعمت سمجھ کر کھا لیا۔ یہ شان تھی کہ کسی طرز سے پتہ نہ چلتا تھا کہ چہرہ سے، نہ زبان سے، وہی معمولات وہی اذکار، وہی تعلیم وتلقین۔ کسی معمول میں ذرا فرق نہیں آتا تھا۔ واللہ یہ تعلق مع اللہ کی قوت ہے۔ انسان کو وہ استقامت بن جاتا ہے۔

مساکین کا تبرک:

حضرت گنگوہی ﷫ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے۔ جب تندرست ہوئے تو آپ کے صاحبزادے نے شکریہ میں بہت سے لوگوں کی دعوت کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خاص خادم سے فرمایا کہ جب غریب لوگ کھانا کھا چکیں تو ان کے سامنے کا بچا ہوا کھانا میرے پاس لے آنا کہ وہ تبرک کھاؤں گا اور یہ خیال نہ کرنا کہ ان کا بدن صاف نہیں، ان کے کپڑے صاف نہیں اور اس کو تبرک اس لئے قرار د

کہ وہ لوگ مومن ہیں، خدا کے محبوب ہیں، حدیث میں آیا ہے یا عائشۃ قربی المسکین۔ چنانچہ وہ کھانا حضرت کے پاس لایا گیا اور حضرت نے اسے رغبت سے کھا لیا۔ اس سے ان کی تواضع اور اتباع سنت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

تواضع:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک بڑے عہدیدار شخص مہمان آئے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو حضرتؒ نے اپنے ساتھ ان کو بٹھلایا۔ چونکہ وہ بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے اس کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر دوسرے غریب طلبہ مہمان پیچھے ہٹے۔ حضرت نے فرمایا، صاحبو! آپ لوگ کیوں ہٹ گئے کیا اس وجہ سے کہ ایک عہدیدار میرے ساتھ بیٹھا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میرے عزیز ہیں میں جس قدر آپ کو معزز سمجھتا ہوں اس کے سامنے ان کی کچھ بھی وقعت نہیں چنانچہ سب غریب طلبا کو بھی ساتھ بٹھلا کر کھانا کھلایا۔

ایک مرتبہ حضرت حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔ ابر ہو رہا تھا کہ اچانک بوندیں پڑنا شروع ہوگئیں۔ جس قدر طالب علم شریک درس تھے سب کتابوں کی حفاظت کے لئے کتابیں اٹھا کر بھاگے اور سہ دری میں پناہ لی۔ پھر کتابیں رکھ کر جوتے اٹھانے چلے۔ صحن کی طرف رخ کیا تو دیکھتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سب کے جوتے جمع کر کے لا رہے ہیں۔ طلبا نے کہا کہ حضرت! آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا، جو لوگ قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟

ایک ڈاکو کی حکایت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ڈاکو کی حکایت بیان فرمائی کہ وہ کسی بستی میں

لب دریا اپنا بھیس بدل کر جھونپڑی ڈال کر اللہ اللہ کرنے لگا۔ لوگوں کو اس سے عقیدت ہوئی اور اس کے پاس آنے لگے۔ بعضے مرید ہو کر وہیں ذکر وشغل میں معروف ہو گئے۔ اللہ کی قدرت کہ بعضے ان میں صاحب مقام بھی ہو گئے۔ ایک دن ان پیر صاحب کے بعض مرید مراقب ہوئے کہ دیکھیں اپنے پیر کا مقام کیا ہے؟ مگر وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ ہر چند مراقبہ کیا مگر کچھ ہوتا تو نظر آتا۔ ناچار ہو کر اپنے شیخ سے کہا۔ شیخ میں چونکہ ذکر اللہ کی برکت سے صدق کی شان پیدا ہو چکی تھی اس نے سب قصہ صاف کہہ دیا کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ ایک ڈاکو ہوں۔ سب نے مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ کو بھی صاحب مقام بنا دیا۔

بیعت ہونے کی برکت:

حضرت گنگوہی ﷫ کی خدمت میں ایک گاؤں کا رہنے والا آدمی مرید ہونے کے لئے آیا۔ حضرتؒ نے کلمات بیعت پڑھا دیئے۔ جن کا حاصل معاصی سے توبہ ہے۔ جب توبہ کر لی تو کہتا ہے، مولوی جی! افیون سے تو توبہ کرائی نہیں؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، مجھے کیا خبر کہ تو افیم کھاتا ہے۔ اچھا یہ بتلا کہ کتنی کھاتا ہے؟ جس قدر کھاتا ہے میرے ہاتھ پر رکھ دے۔ مگر اس نے جیب سے افیون کی ڈلی نکال کر دور پھینکی کہ مولوی جی! توبہ ہی جب کر لی تو اب کیا کھائیں گے؟ گھر گیا تو دست شروع ہو گئے۔ اس کی خبر حضرت گنگوہیؒ کو پہنچی۔ مرتے مرتے بچا مگر اچھا ہو گیا۔ تندرست ہو کر دوبارہ حضرتؒ کی خدمت میں آیا۔ حضرتؒ نے پوچھا کون؟ کہا میں ہوں افیون کھانے والا۔ اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد دو روپے پیش کیے۔ حضرت نے کسی قدر عذر کے بعد دلجوئی کے لئے قبول فرما لئے۔ وہ دیہاتی نوجوان کہنے لگا، اجی مولوی جی! یہ تو آپ نے پوچھا ہی نہیں یہ کیسے روپے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا، بھائی! خود ہی بتلا دو۔ کہنے لگا، یہ روپے افیون کے ہیں۔ حضرتؒ نے پوچھا،

افیون کے کیسے؟ کہا کہ دو روپے کی افیون مہینہ میں کھاتا تھا جب توبہ کر لی تو نفس بڑا خوش ہوا کہ دو روپے ماہوار بچت ہو گی۔ مگر میں نے نفس سے کہا کہ یاد رکھ تیرے پاس یہ رقم نہ چھوڑوں گا۔ بلکہ توبہ کے وقت ہی نیت کر لی تھی کہ جتنے روپوں کی افیون کھاتا تھا وہ روپے حضرت کو دیا کروں گا۔ یہ بیعت کی برکت ہے کہ ایک دیہاتی شخص کو دین کی سمجھ ایسی آئی کہ دین دنیا کی آمیزش کو سمجھ گیا۔

شیخ کی معرفت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میرے ایک مرید کو ہٹا دے تو فی مرید ایک آنہ اور مولوی کو ہٹانے پر فی مولوی چار آنے لے لے۔ غرض یہ تھی کہ جو شخص نادان ہے اس کو شیخ سے بھی برائے نام محبت ہو گی۔ نادان کی دوستی رہ نہیں سکتی وہ معمولی بات کو بھی بزرگی کے خلاف سمجھے گا اور غیر معتقد ہو جائے گا۔ اس کی نظر جہل کے سبب عیوب کی طرف زیادہ ہو گی اور کمالات کو تو وہ جانتا ہی نہیں۔ ان پر تو اس کی نظر کیا ہوتی سچی محبت اسی کو ہو گی جس کو شیخ کی معرفت ہو گی اور شیخ کی معرفت اس کی اتباع سے ہو گی۔

چیلہ اور گرو بننے کی تمنا:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، آج کل لوگ مرید نہیں بنتے، گرو بنتے ہیں۔ فرمایا، ایک شخص ایک گرو کے پاس گیا اور کہا مجھے اپنا چیلہ بنا لو۔ اس نے کہا چیلہ بننا بڑا مشکل ہے تو اس نے کہا پھر گرو ہی بنا لو۔

سادگی:

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدل سفر کر کے اس وقت گنگوہ پہنچے کہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ اور نماز شروع ہونے کو تھی۔ لوگوں نے دیکھ

کر خوشی میں کہا، مولانا آ گئے، مولانا آ گئے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مصلے پر پہنچ چکے تھے یہ سن کر نگاہ اٹھا کر مولانا کو دیکھا تو مصلے سے واپس آ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ سے نماز پڑھانے کے لئے فرمایا۔ مولانا سیدھے مصلے پر پہنچے، چونکہ پیدل سفر کر کے تشریف لائے تھے اس لئے پاجامہ کے پائنچے چڑھے ہوئے تھے اور پاؤں گرد آلود تھے۔ جب حضرت گنگوہی ﷫ کی جگہ پر پہنچے تو حضرتؒ نے صف میں سے آگے بڑھ کر اپنے رومال کے ساتھ پہلے ان کے پاؤں کی گرد صاف کی پھر پائنچے اتارے اور فرمایا، اب نماز پڑھائیے اور خود واپس آ کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ مولانا یعقوب صاحب ﷫ نے نماز پڑھائی۔ حضرت گنگوہی ﷫ نے بعد میں کسی سے فرمایا کہ مجھے اس سے بے حد مسرت ہوئی کہ مولانا نے انکار نہیں فرمایا بلکہ میری درخواست قبول فرمالی۔

دین و دنیا کا نقصان:

۔ حضرت گنگوہی ﷫ سے ایک مرید نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے روشنی نظر آتی ہے اور اس میں سنہری حروف سے کچھ لکھا ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا، تم علاج کراؤ اور ذکر و شغل وغیرہ چھوڑ دو، تمہارے دماغ میں خشکی ہے اور یہ مقدمہ ہے جنون کا۔ اس نے کہنا نہ مانا، نہ علاج کرایا اور نہ کام کو چھوڑا۔ آخر خشکی بڑھی اور جنون ہو گیا بلکہ برہنہ مارے مارے پھرتے تھے۔ نہ نماز رہی نہ روزہ۔ حضرت نے ان کو وصیت فرمائی تھی کہ کھایا پیا کرو اس سے قوت آئے گی اور یہ فرمایا تھا، دیکھو! حدیث میں آیا ہے کہ

المومن القوی خیر من المومن الضعیف و فی کل خیر

(یعنی مومن قوی، مومن ضعیف سے بہتر ہے اور ہر ایک میں خیر ہے)

نماز میں گریہ وزاری:

حق تعالی کی عظمت اور جلالت شان چونکہ آپ کی رگ رگ میں پیوست تھی اس لئے آپ جب اپنے آقا و مالک حقیقی کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہوتے اور نوافل میں قرأت قرآن مجید شروع فرماتے تو عموماً آپ پر گریہ طاری ہو جاتا اور پڑھتے پڑھتے رک جاتے تھے۔ سسکیاں آپ کا حلق تھام لیتی تھیں اور آہ و بکا پر مجبور کرنے والی حالت آپ کو ساکت وصامت بنا دیا کرتی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہتے اور مصلے پر موتیوں کی طرح گرتے۔ مولوی عبدالرحمان صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں گنگوہ حاضر ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور تراویح میں کلام اللہ شریف حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے۔ ایک شب آپ نے تراویح شروع کی میں بھی جماعت میں شریک تھا۔ قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہنچے جس میں خوف وخشیت دلایا گیا تھا۔ حالانکہ جماعت میں نصف سے کم لوگ عربی زبان سمجھنے والے تھے اور باقی سب ناواقف تھے۔ مگر آپ کی قرأت سے اس رکوع کی خشیت کا اثر سب پر پڑ رہا تھا۔ کوئی روتا تھا اور کسی کے بدن پر لرزہ طاری تھا۔ اس رکوع کے بعد جب آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو اس میں رحمت خداوندی کا بیان تھا۔ اس وقت دفعتاً تمام جماعت پر سرور طاری ہو گیا اور پہلی حالت یکلخت تبدیل ہو گئی خشیت والی کیفیت انس میں بدل گئی۔

نماز قضا کرنا گوارا نہ کیا:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اخیر عمر میں آنکھوں میں نزول آب ہو گیا تھا۔ خدام نے آنکھ بنوانے پر اصرار کیا مگر آپ نے انکار فرما دیا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ حضرت کی کوئی نماز قضا نہ ہونے دوں گا۔ فجر اول وقت اور ظہر آخر وقت میں

پڑھ لیں البتہ چند روز تک سجدہ زمین پر نہ فرمائیں بلکہ اونچا تکیہ رکھ کر اس پر کرلیں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ چند دن کی نمازیں تو بہت ہوتی ہیں ایک سجدہ بھی اس طرح کرنا گوارا نہیں۔

ریاضت ومجاہدہ:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ریاضت ومجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا اور ترس کھاتے تھے۔ چنانچہ اس پیرانہ سالی میں، جب کہ آپ ستر سال کی عمر سے متجاوز ہو گئے تھے، کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کا روزہ اور بعد مغرب 20 رکعت صلوۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے۔ جس میں اندازاً دو پارے سے کم تلاوت نہیں ہوتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ رکوع اور سجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والوں کو سہو کا گمان ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر مکان تک آنے جانے اور کھانا کھانے کے لئے مکان پر ٹھہرنے میں کئی پارے تلاوت کرلیا کرتے تھے۔

مرشد کی جانب سے ایک امتحان:

تھانہ بھون کے قیام کے دوران حضرت حاجی صاحب ﷫ نے آپ کے صبر وتحمل اور ضبط کا امتحان لیا۔ جس کے متعلق حضرت گنگوہی ﷫ خود ہی فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہوئے چند روز گزرے تو میری غیرت نے حضرت حاجی صاحبؒ پر کھانے کا بوجھ ڈالنا گوارا نہ کیا۔ آخر میں نے یہ سوچ کر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا بھی دشوار اور ناگوار ہوگا۔ رخصت چاہی مگر حاجی صاحب ﷫ نے اجازت نہ دی اور فرمایا، کہ چند روز اور ٹھہرو۔ میں خاموش ہو گیا۔ قیام کا قصد تو کرلیا مگر اس کے ساتھ یہ فکر ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہیے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب حاجی صاحبؒ مکان پر تشریف لے جانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع

ہو کر فرمایا، میاں رشید احمد! کھانے کی فکر مت کرنا۔ ہمارے ساتھ کھائیو۔ دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں نہایت لذیذ کوفتے تھے اور دوسرے پیالے میں معمولی سالن تھا۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے دسترخوان پر بٹھایا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور ہی رکھا۔ اتنے میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب ﷫ تشریف لائے۔ کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا دیکھ کر حاجی صاحب ﷫ سے فرمایا، بھائی صاحب! رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے، اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے۔ حاجی صاحب نے جواب دیا، اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں، جی تو چاہتا تھا کہ چوڑھوں چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھ دیتا۔ اس فقرہ پر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے چہرے پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمد للہ میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ آپ فرما رہے ہیں سچ ہے۔ اس دربار کی روٹی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے، جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے کبھی امتحان نہ لیا۔

کسی کے لئے کبھی بددعا نہ کی:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک صاحب سے تکلیف پہنچی اس پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ﷫ نے اس احتمال سے کہ کہیں حضرت بددعا نہ کر دیں۔ حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! بددعا نہ کیجئے گا۔ اس پر حضرت گھبرا گئے اور فرمایا توبہ توبہ مسلمان کے لئے کہیں بددعا بھی کیا کرتے ہیں۔ استغفر اللہ!!!

عاجزی وانکساری:

ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام بدن دبا رہے تھے کہ ایک بے

تکلف دیہاتی نے سوال کیا۔ کہ مولوی جی آپ تو بہت ہی دل میں خوش ہوتے ہوں گے کہ لوگ خوب خدمت کر رہے ہیں۔ فرمایا، بھائی جی! جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت ملتی ہے لیکن الحمد للہ بڑائی دل میں نہیں آتی۔ یہ دل میں نہیں آتا کہ میں بڑا ہوں اور یہ چھوٹے ہیں اور خدمت کر رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ دیہاتی بولا، اجی مولوی جی! اگر یہ دل میں نہیں آتا تو بس پھر خدمت لینے میں کچھ حرج نہیں۔ اس دیہاتی نے صحیح نتیجہ اخذ کرلیا۔

کسب حلال کے لئے کوشش:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ زمانہ طالب علمی کے بعد اپنا بار کسی دوسرے پر ڈالنا نہیں چاہتے تھے کہ اسی دوران میں ایک جگہ سے قرآن شریف کے ترجمہ پڑھانے کی ملازمت سات روپے میں آئی۔ آپ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت چاہی۔ انہوں نے منع فرما دیا۔ اور کہا کہ اس کو منظور نہ کرو اور زیادہ کی آوے گی۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ سہارنپور کے رئیس نواب شائستہ خان نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے دس روپے تنخواہ پر بلایا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تو دنیا کی نگاہ میں بہت اونچے تھے مگر اپنی نگاہ میں چھوٹے تھے۔ اس لئے دس روپوں کو اپنے حیثیت سے زیادہ سمجھ کر قبول کر لیا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو فرمایا، اگر صبر کرتے تو اور زیادہ کی آتی۔ آپ نے چھ ماہ یہ ملازمت اختیار فرمائی تاکہ کسب حلال کا فریضہ بھی ادا ہو جائے اور بعد والوں کے لئے تعلیم پر اجرت لینے کا راستہ بھی کھل جائے۔

تواضع اور مروت:

ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کے لئے ایک عالم مولوی

دیباج الدین صاحب رائے پور آئے۔ رات زیادہ ہو چکی تھی۔ سفر کی تکان بہت تھی۔ ایک طرف لیٹ کر سو گئے۔ ذرا دیر بعد آنکھ کھلی دیکھا تو ایک شخص پاؤں پر بیٹھا آہستہ آہستہ ان کے پاؤں دبا رہا ہے مگر اس احتیاط سے کہ آنکھ نہ کھل جائے۔ اول تو یہ سمجھے کہ شاید حضرتؒ نے کسی خادم کو بھیج دیا مگر پھر غور کی نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ یہ تو خود حضرتؒ ہیں۔ یہ گھبرا کر اٹھے اور کود کر چارپائی سے نیچے آئے کہ حضرت! یہ کیا غضب کیا؟ فرمایا، بھائی! اس میں حرج کیا ہے، آپ کو تکان ہو گیا تھا بس آپ لیٹے رہئے، آرام مل جائے گا۔ انہوں نے کہا، بس حضرت! معاف فرمایئے، باز آیا ایسے آرام سے کہ آپ سے پاؤں دبواؤں۔

حضرت کا رعب:

مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک کلکٹر گنگوہ آیا اور کسی سے یہ خواہش ظاہر کی کہ شاملی کے میدان میں مولانا گنگوہی ﷺ نے جہاد کیا، میں ان کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اپنے بنگلہ سے چلا ادھر حضرت اپنی سہ دری سے اٹھ کر کمرہ میں تشریف لے گئے اور کواڑ بند کر لئے۔ کلکٹر آیا اور کچھ دیر سہ دری میں بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر چلا گیا۔ تب حضرت حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ کچھ مدت کے بعد پھر وہی کلکٹر گنگوہ آیا۔ بعض خدام نے عرض کیا کہ حکومت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے بہت بدظن ہے، حضرت! کلکٹر سے ملاقات فرمالیں تو دارالعلوم کے لئے مفید ہے اور خطرات سے حفاظت کی توقع ہے۔ فرمایا، بہت اچھا۔ پالکی میں سوار ہوئے اور کلکٹر کے بنگلہ پر تشریف لے گئے۔ علمائے عصر بھی اس پالکی کو اٹھا کر لے جانے والے تھے۔ جب پالکی بنگلہ پر پہنچی تو کلکٹر خود ہی بنگلہ سے باہر آیا۔ سامنے آ کر مصافحہ کے لئے خود ہی ہاتھ بڑھایا۔ حضرت قدس سرہ نے بھی مصافحہ فرمایا۔ مگر نگاہ نیچی رکھی، اوپر نہیں اٹھائی اور اس کی صورت نہیں دیکھی۔ کلکٹر نے کہا کہ ہمیں کچھ

نصیحت کرو۔ حضرت نے فرمایا کہ انصاف کرو اور مخلوق خدا پر رحم کرو۔ یہ کہہ کر پالکی میں سوار ہوئے اور واپس تشریف لے آئے۔ کلکٹر نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون آدمی تھا؟ ہمارا دل اس کو دیکھ کر کانپ رہا تھا۔ اس کو بتلایا گیا کہ یہ وہی مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں جن کی زیارت کا آپ کو شوق تھا۔

اتباع سنت:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کی اتباع سنت ضرب المثل ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے۔ دیکھیں حضرت ان دونوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں، لوگوں نے اس کا اندازہ کیا۔ جب حضرت مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر جوتے پر رکھا پھر سیدھا پاؤں نکالا تو جوتے میں ڈال دیا۔ اس کے بعد بائیں پاؤں میں جوتا پہنا۔

حساس طبیعت:

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ آپ تمام حواس کے اعتبار سے نہایت ذکی تھے۔ بیسیوں تعجب انگیز قصے آپ کے کمال ادراک کے مشہور ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بھائی عبدالرحمٰن صاحب فرماتے تھے کہ مجھے چائے کا بہت شوق تھا اور اپنے ہاتھ سے پکایا کرتا تھا۔ حضرت نے جب بھی چائے پی تو فرمایا، چائے میں کچے پانی کا ذائقہ آتا ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے ایک روز دل میں کہا کہ اچھا، آج اس قدر پکاؤں گا کہ پانی بھاپ بن جائے۔ چنانچہ کئی گھنٹے تک پکا کر تیار ہوئی اور حضرت کو پلائی تو فرمایا کہ کچے پانی کا ذائقہ اس میں بھی ہے۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت! یہ وہم کا درجہ ہے۔ پھر خیال ہوا کہ اس میں کچھ دودھ گھر سے لا کر ڈالا تھا جو ابلا ہوا تھا۔ پوچھ کر آتا ہوں کہ کہیں اس میں تو پانی نہیں تھا۔

آخر گھر جا کر معلوم ہوا کہ گھر کے لوگوں نے اس میں کچھ پانی ڈال دیا تھا۔

جن ایام میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی حضرت کے لئے چائے پکایا کرتے تھے، کئی دن ایسا قصہ پیش آیا کہ جب حضرت کو چائے پلائی، حضرت نے فرمایا کچے پانی کی بو آتی ہے۔ ہر چند مولوی صاحب نے چائے کو جوش دینے کی کوشش کی مگر ہر دفعہ حضرت نے یہی فرمایا کہ کچے پانی کی بو آتی ہے۔ آخر بڑے پریشان ہوئے کہ بات کیا ہے؟ پانی کو بہت پکاتا ہوں پانی ابال کر ڈالتا ہوں پھر کچا پانی کیسا؟ آخر بہت غور کے بعد پتہ چلا کہ جس پیالی میں چائے ڈالی جاتی ہے اس کو دھو کر خشک نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اگلے دن پیالی کو دھو کر خشک کر کے چائے ڈالی اور حضرت کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت نے چائے پی اور فرمایا آج کچے پانی کی بو نہیں ہے۔

حضرت کے مہمان سہ دری میں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ فراغت پر دستر خوان اٹھا کر بوریہ بستر جھاڑ دیا جاتا تھا۔ مگر حضرت تشریف لاتے تو جو کھانا کھایا جا چکا ہوتا تھا اس کا نام لے کر فرماتے کہ فلاں کی خوشبو ہے۔ ایک مرتبہ کھانا کھاتے ہوئے فرمایا، اس میں کو تھمیر کی خوشبو آتی ہے۔ ہر چند غور کیا مگر مجمع میں سے کسی کو احساس نہ ہوا۔ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ پکی ہوئی ہنڈیا میں چار پانچ پتے ڈال دیئے گئے تھے۔

آپ کے ادراک کے متعلق ایسے ایسے عجیب اور حیرت انگیز قصے لوگوں نے دیکھے کہ بغیر دیکھے کہنے والے کی بات کا یقین بھی نہ آتا۔ ایک مرتبہ جمعہ کے بعد مجمع کثیر آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ مولوی محمد یحیٰ صاحب ﷫ کے چھوٹے بھائی مولوی محمد الیاس ؒ جن کی عمر اس وقت دس گیارہ برس کی تھی، دبے پاؤں آئے اور چپکے ہی سے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ اچانک حضرت نے گردن اوپر اٹھائی اور فرمایا بچے کی سانس ہے۔ اسی وقت کسی نے کہا، حضرت احمد الیاس آئے ہیں۔

ایک بار نمبردار فضل حق کا لڑکا اکرام الحق بعد نماز مغرب حاضر خدمت ہوا۔ حضرت کو خبر نہ تھی کہ کون کون موجود ہیں۔ جب کھانا کھانے کو مکان پر جانے لگے اور اکرام الحق کے قریب پہنچے تو حضرت ٹھہر گئے اور فرمایا نمبردار کی سی بو آتی ہے۔ تب کسی نے کہا کہ نمبردار کا لڑکا اکرام کھڑا ہے۔

نماز کا شوق اور غیبی حفاظت:

حضرت گنگوہی ﷫ کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ آپ کی عمر ساڑھے چھ سال تھی کہ آپ سے ایک ایسی کرامت حسیہ اور استقلال وتوکل کا ظہور ہوا کہ جس سے آپ کے مقبول بارگاہ خداوندی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ آپ بچپن ہی میں نماز کے پابند تھے۔ عام نمازوں کے اوقات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک دن شام کو ٹہلتے ٹہلتے قصبہ سے باہر نکل گئے وہاں غروب آفتاب کا وقت ہوگیا تو احساس ہوا کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ پھولوں کی دو چھڑیاں ہاتھ میں لئے واپس گھر آئے اور والدہ کو چھڑیاں پکڑائیں کہ یہ رکھو میں نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ جلدی سے مسجد میں داخل ہوئے تو جماعت کھڑی تھی۔ وضو کے لئے لوٹوں کی طرف بڑھے تو خالی پایا۔ دیر میں دیر ہوئی گھبرا کر پانی کھینچنے والے کنوئیں میں ڈول ڈالا، ڈول وزنی تھا۔ گھبراہٹ میں رسی پاؤں میں الجھ گئی اور ہاتھ پاؤں جماعت فوت ہونے کی وجہ سے پھولے ہوئے تھے۔ لہٰذا ذرا سا جھٹکا لگا اور آپ کنوئیں میں گر گئے۔ نمازیوں کو محسوس ہوا کہ کوئی کنویں میں گر گیا ہے۔ امام صاحب نے جلدی سے نماز پوری کرائی۔ تمام نمازی کنوئیں کی طرف لپکے اب ہر ایک کنوئیں میں جھانکنے لگا۔ اندر سے آواز آتی ہے ”گھبراؤ نہیں میں آرام سے بیٹھا ہوں“ قدرت حق تعالیٰ کی یہ ہوئی کہ ڈول الٹا پانی میں گرا۔ جب آپ گرے تو حواس مجتمع کر کے فوراً اس پر بیٹھ گئے۔ جب آپ کو باہر نکالا گیا تو معلوم ہوا کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی میں معمولی سی

خراش آئی تھی۔

حضرت کے ہاتھ میں شفا:

ایک بار حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ کی خالہ بیمار ہوئیں اور سخت تکلیف کا سامنا ہوا۔ معدہ میں درد تھا جس نے بے چین کر رکھا تھا۔ حکیم مولوی محمد تقی صاحب اپنی خالہ کے معالج تھے۔ دوائیں پلاتے اور تدبیریں کرتے کئی روز گزر گئے۔ مگر مریضہ کو کوئی فائدہ محسوس نہ ہوا۔ حضرت کی عمر مبارک اس وقت کم وبیش 22 سال تھی۔ نانی جان نے آپ سے شکایت کی کہ" مجھے محمد تقی کی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا، بیٹے! تو بھی بڑا عالم فاضل ہے تو ہی کچھ کر اور کوئی ایسی دوا بتا جس سے میری تکلیف رفع ہو"۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت سکوت فرمایا اور کچھ جواب نہ دیا مگر نانی جان کی بے حد تکلیف پر دل میں خیال ضرور پیدا ہو گیا کہ اس طرف توجہ کروں۔ چنانچہ آپ وہاں سے اٹھے اور میزان الطب میں معدہ کی بحث نکال کر مطالعہ شروع فرمایا۔ غرضیکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نانی صاحبہ کا علاج فرمایا حکم خدا سے وہ صحت یاب ہو گئیں۔ اس سے مستورات میں چرچا ہو گیا اور پرانے پرانے مریض ٹوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست مبارک میں شفا رکھ دی۔ جو مریض آتا آپ "اکسیر اعظم" اور میزان الطب" کو غور سے دیکھ کر اس کی تشخیص و تجویز فرماتے۔ نتیجتاً اس کو آرام آجاتا۔ آپ نے مطب کو بھی بطور پیشہ کے اختیار نہ کیا بلکہ خدمتِ خلق کا رجوع دیکھ کر انسان دوستی، خدا ترسی اور شفقت کی نگاہ سے اس کو کرتے تھے۔

ثابت قدمی:

مظفر نگر کے جیل خانہ میں آپ کو تقریباً چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اور اس زمانہ

میں آپ کے استقلال، عزم، ہمت اور ارادوں میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔ ابتدا سے لے کر انتہا تک آپ کی نماز ایک وقت بھی قضا نہیں ہوئی۔ حوالات کے دوسرے قیدی آپ کے معتقد ہوگئے تھے۔ ان میں سے بہت سے آپ کے مرید ہوئے۔ جیل خانہ کی کوٹھڑی میں با جماعت نماز ادا کرتے تھے۔ دعوت وارشاد ظاہری و باطنی سے آپ کسی دن غافل نہیں ہوئے۔ وعظ ونصیحت کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ لوگوں کو سناتے اور وحدانیت کا درس دیا کرتے تھے۔ جب عدالت میں جاتے تو جو دریافت کیا جاتا بے تکلف اس کا جواب دیتے۔ آپ نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان موڑ کر نہیں کہا۔ کسی وقت جان بچانے کی کوشش نہیں کی۔ جو بات کہی سچ کہی اور جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر ناظر جان کر واقعات اور حقیقت حال کے مطابق دیا۔ پوچھا گیا کہ تم نے سرکار کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا۔ کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تجھے پوری سزا دیں گے۔ آپ فرماتے ،کیا مضائقہ ہے؟ بالآخر چھ ماہ بعد آپ کی جیل سے رہائی ہوئی۔

سمجھانے کا دلچسپ انداز:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پڑھاتے ہوئے ترجمہ اور معنی سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے۔ طلبہ کے اعتراضات پر ذرا بھی چیں بچیں نہ ہوتے۔ ایک دفعہ ایک طالب علم قرأت کر رہا تھا۔ ''عطارہ'' کا لفظ آیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ عطر سے مشتق ہے اور اس کا فلاں معنی ہے۔ بلا تکان آگے بڑھتا چلا گیا۔ ایک پٹھان طالب علم کو سمجھ نہ آیا اس نے قاری کے کہنی ماری اور کہا کہ ٹھہرو ہم نہیں سمجھا۔ چہ معنی عطارہ؟ ہم نہیں سمجھا۔ آپ نے فرمایا عطر فروش کی بیوی'' قاری پھر پڑھنے لگا، پٹھان نے تیسری دفعہ کہنی ماری اور تیز نظر سے دیکھا اور کہا ٹھہرو ہم نہیں سمجھا اس کا معنی۔ اس مرتبہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اونچی آواز سے فرمایا ''عطر بیچنے والے کا جورو''

اب پٹھان خوش ہوا اور کہا ''ہاں اب سمجھا'' ہاں بھائی آگے چلو''۔ سوالات کرنے والوں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ خفا نہیں ہوتے تھے۔

طلب ہو تو ایسی:

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ غربت وتنگدستی کے دور میں حرمین شریفین کی حاضری کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے۔ آپ کی اقتصادی حالت اس قدر کمزور تھی کہ بمشکل اہل وعیال کی گزران ہوتی تھی۔ لیکن طلب سچی ہو تو اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔

ڈپٹی عبد الحق رامپوری کا قصد حج کا ہوا۔ انہوں نے اپنے اہل وعیال اور متعلقین کا ایک جم غفیر ساتھ لیجانا چاہا۔ حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری جو حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے اور ڈپٹی صاحب کے احباب میں سے تھے۔ ڈپٹی صاحب نے حکیم صاحب کو بھی ساتھ لیا۔ حکیم صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے عشاق میں سے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ میرے پیر ومرشد نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زانو پر جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ حکیم صاحب نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا تو ڈپٹی صاحب بلا ادنیٰ تامل کے مان گئے بلکہ اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محب رسول صلی اللہ علیہ وسلم وتبع سنت ہمارے قافلے میں شریک ہو۔ مولوی ابو النصر جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں زاد بھائی، بچپن کے ساتھی ا، رجانثار رفیق تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ حضرت سفر حج پر جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنا اثاثہ اونے پونے بیچ کر مع اہلیہ معیت اختیار کی۔ اُن دنوں سفر حج انتہائی دشوار تھا اور فریضہ حج کی ادائیگی سب فرائض سے مشکل تھی۔ ایسا بھی ہوتا کہ وخانی کشتیاں تین تین چار چار ماہ سمندر میں ہچکولے کھاتی رہتیں۔ آپ کے بحری سفر کے دوران سخت طوفان آیا۔ تمام مسافر گھبرا گئے۔ مگر آپ نہایت پر

سکون اور مطمئن تھے۔ لوگوں کی گھبراہٹ پر انہیں یہ کہہ کر تسلی دی کہ ''بھئی! کوئی مرے گا نہیں، ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جا رہے ہیں، خود نہیں جا رہے''۔ اور جہاز جب اصلی حالت پر آیا تو کپتان نے گھڑی دیکھ کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طوفان کی وجہ سے ہمیں آٹھ دن کی مسافت تین دن میں طے کروا دی ہے۔ اللہ اکبر!

چائے میں برکت:

مولوی شریف حسین مدراسی حضرت ﷫ کے شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت کے دیوبند تشریف لانے پر وہ ایک برتن میں بڑی عمدہ چائے بنا کر لائے۔ دیکھا تو بیٹھک اشخاص سے بھری ہوئی تھی۔ سوچتے رہے کہ کس کو دوں اور کس کو نہ دوں۔ آخر یہ سوچ کر کہ خاص خاص حضرات کو پلا دیتا ہوں، دہلیز پر بیٹھ گئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا، مولوی شریف حسین! ایک طرف سے پلانا شروع کر دو۔ وہ پریشان تو ہوئے لیکن تعمیلِ ارشاد میں داہنے ہاتھ سے تقسیم کرنا شروع کر دی۔ تقریباً 25 آدمی مجمع میں موجود تھے سب نے چائے پی لی تو برتن کھول کر دیکھا تو اس میں ابھی چائے موجود تھی اور یہ برتن صرف چھ پیالی کا تھا۔

دھوپ گھڑی ملانے کا واقعہ:

حضرت گنگوہی ﷫ کا معمول تھا کہ روزانہ 12 بجے دوپہر کو حجرہ کی گھڑیاں دھوپ گھڑی سے ملاتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ متواتر کئی دن ابر محیط رہا اور دھوپ نہ نکلی۔ جس دن دھوپ نکلی تو اس طرح کہ کبھی دھوپ کبھی بادل۔ حضرت بارہ بجے سے کچھ قبل گھر سے تشریف لائے اور مولوی علی رضا سے کہا کہ جب بارہ بجیں تو مجھے خبر کرنا اور خود قریب ہی ایک جگہ لیٹ گئے۔ جب وہ آئے تو دھوپ تھی لیکن جس وقت سایہ (12 بجے کے) خط کے قریب پہنچنے لگا تو دیکھا ایک بہت بڑا بادل سورج

پر چھا گیا۔ گھبرا کر عرض کیا گیا کہ حضرت دھوپ چھپ گئی۔ آپ اٹھ کر دھوپ گھڑی کے پاس آ گئے۔ آپ کا آنا تھا کہ بادل درمیان سے پھٹ گیا اور آپ نے گھڑی ملالی۔

حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن قدس سرہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶۸ھ بمطابق 1851ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب ایک جید عالم تھے۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔
آپ نے قرآن پاک کا کچھ حصہ اور ابتدائی کتابیں مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ ابھی آپ قدوری تہذیب وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ ۱۲۸۳ھ میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا۔ آپ اس مدرسہ کے پہلے طالب علم بنے۔ ۱۲۸۶ھ میں آپ کتب صحاح ستہ کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔ حدیث میں آپ کو مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ آپ کو فارغ التحصیل ہونے سے پہلے ہی دارالعلوم دیوبند کا معین مدرس بنا دیا گیا۔ ابتدا میں آپ کے سپرد ابتدائی تعلیم پڑھانے کا کام کیا گیا۔ لیکن بہت جلد آپ کی علمی استعداد اور ذہانت ظاہر ہونے لگی اور رفتہ رفتہ آپ مسلم شریف اور بخاری شریف کی تدریس تک جا پہنچے۔ آپ کا زمانہ تدریس چالیس سال سے زائد ہے۔ اس عرصہ میں اطراف اکناف عالم میں آپ کے تلامذہ پھیل گئے جن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا اشرف علی

تھانوی ؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیری ؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ، مولانا حسین احمد مدنی ؒ، مفتی کفایت اللہ دہلوی ؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندی ؒ، مولانا عبید اللہ سندھی ؒ، مولانا اعزاز علی ؒ، مولانا حبیب الرحمن عثمانی ؒ اور مولانا عبدالسمیع ؒ جیسے مشاہیر علم وفضل شامل ہیں۔

آپ شروع سے ہی نیک نیت اور نیک فطرت تھے۔ اس کے ساتھ مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کی محبت اور صحبت اور مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کی توجہات نے آپ کو روحانیت کے عرش پر بٹھا دیا تھا۔ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے آپ کے کمالات علمیہ وروحانیہ سے خوش ہو کر دستار خلافت اور اجازت نامہ بیعت عنایت فرمایا۔ دربار رشیدیہ سے بھی آپ کو یہ نعمت حاصل ہوئی۔ حاصل یہ کہ آپ علم نبوت، شریعت، طریقت اور روحانیت کے مجمع البحرین ہی نہیں بلکہ مجمع البحار تھے۔ آپ اگرچہ اکثر اوقات تعلیم وتعلم اور تصنیف وتالیف اور مطالعہ کتب میں مصروف رہتے لیکن اوراد ووظائف، ذکر ومراقبہ، اور صلوۃ اللیل پر بھی ہر حالت سفر وحضر حتیٰ کہ مالٹا کی طوفانی بد بختیاری میں بھی آپ کے معمولات میں فرق نہ آتا تھا۔

انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی کے مشن کو آپ نے کافی آگے تک بڑھایا۔ آپ عسکری بنیادوں پر مسلمانوں کو منظم کر کے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے۔ اس ضمن میں آپ نے تحریک ریشمی رومال شروع کی جس کا مرکز آپ نے کابل کو بنایا۔ اپنوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکی تاہم اس نے مسلمانوں میں بیداری کی روح پھونک دی۔ ۱۳۳۵ھ میں انگریزوں نے آپ کو گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیا۔ ۱۳۳۸ھ میں وہاں سے رہا ہوئے اور ہندوستان آئے ان دنوں تحریک خلافت عروج پر تھی۔ باوجود عمر میں زیادتی اور بیماری کے آپ نے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا لہٰذہ بیماری میں اور اضافہ ہو گیا۔ آپ

نے ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دیوبند میں انتقال فرمایا۔ اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

علم میں پختگی:

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرادآباد کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے وعظ کے لئے اصرار کیا۔ حضرت نے عذر کیا کہ مجھے عادت نہیں مگر لوگوں نے نہ مانا۔ آخر آپ کھڑے ہوگئے اور حدیث فقیہ واحد اشد علی الشیطن من الف عابد پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا ''ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے'' وہاں ایک مشہور عالم تھے وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو صحیح ترجمہ بھی کرنا نہ آئے تو اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ پس مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا، میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، خیر اب میرے عذر کی دلیل ہوگئی یعنی آپ کی شہادت۔ مگر ان لوگوں نے عذر نہ مانا اور وعظ کا اصرار کیا۔ چنانچہ آپ نے پرتاثیر وعظ فرمایا۔ فراغت پر حضرت نے ان صاحب سے بطرز استفادہ پوچھا، غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اثقل نہیں بلکہ اضر آتا ہے۔ مولانا نے فوراً فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے۔ یاتینی مثل صلصلة الجرس و هو اشد علی۔ (وحی مجھ پر مثل گھنٹی کی آواز کے نازل ہوتی ہے اور وہ مجھ پر بھاری ہوتی ہے۔) کیا یہاں بھی اضر کے معنی ہیں؟ اس پر وہ عالم دم بخود رہ گئے۔

عاقبت کا خوف:

حضرت شیخ الہند جس وقت مالٹا میں قید تھے ایک روز بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ ساتھیوں نے پوچھا، کیا حضرت گھبرا گئے ہیں؟ یہ لوگ سمجھے کہ گھربار یاد آرہا ہوگا، یا

جان جانے کا خوف ہوگا؟ لیکن آپ نے ان کو جواب میں فرمایا کہ

"میں گھر بار یاد آنے کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ مقبول بھی ہے یا نہیں"۔

عیسائی پادری سے مناظرہ:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک انگریز عیسائی مناظر دیوبند آیا۔ دیوبند کے اسٹیشن کے قریب ایک باغ میں اس کا قیام ہوا۔ حضرت شیخ الہند کو علم ہوا تو آپ مناظرے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ عیسائی مناظر کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ تھے۔ مولانا نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ کلمۃ اللہ کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی کتنی اقسام ہیں؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کونسی قسم میں داخل تھے؟ بس اس کے ہوش وحواس اڑ گئے۔ بار بار یہی کہتا جاتا تھا کہ کلمۃ اللہ تھے۔ مولانا فرماتے کونسا کلمہ؟ کلمہ تو بہت قسم کا ہوتا ہے۔ جب یہ نہ بتا سکا اور اس کی میم صاحبہ نے خیمہ میں سے دیکھا کہ یہ جواب نہیں دے سکتا تو پرچہ بھیج دیا کہ مناظرہ بند کردو۔ یہ عورتوں کے تابع ہوتے ہیں۔ مناظرہ چھوڑ کر چلا گیا۔ حضرت نے مزاحا فرمایا کہ یہ لوگ مادیات ہی میں چلتے ہیں، نریات میں خاک بھی نہیں چلتے۔

دو اہم ترین سبق:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد نماز عشا دارالعلوم دیوبند میں تشریف فرما تھے۔ علما کا بڑا مجمع سامنے تھا۔ اس وقت فرمایا کہ "ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے 80 سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر

میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ فرمایا، میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔

① ان کا قرآن مجید کو چھوڑ دینا

② آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔

اس لئے میں وہاں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اسی کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم اور بڑوں کو عمومی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآن کی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو ہرگز برداشت نہ کیا جائے''۔ قرآن پر عمل ہو تو خانہ جنگی کی نوبت نہیں آئے گی۔

محبوب شے کی قربانی:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ کے نام پر جہاں تک ہو سکے عمدہ جانور ذبح کرو جس کو ذبح کر کے کچھ تو دل دکھے۔ جیسا کہ اپنی جان کو پیش کرتے یا بیٹے کو ذبح کرتے تو دل دکھتا۔ اب تو ویسا کہاں دکھے گا؟ لیکن کچھ تو مال ایسا ہو کہ جس کو ذبح کر کے دل پر کچھ چوٹ لگے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبون کامل نیکی تم کو اس وقت تک حاصل نہ ہو گی جب تک کہ محبوب اشیا کو خرچ نہ کرو۔

انفاق محبوب کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار قربانی کی تھی۔ آپ نے قربانی سے کئی مہینے پہلے ایک گائے خریدی۔ اس کو خوب کھلایا پلایا اور عصر کے بعد جنگل میں اپنے ساتھ لے جا کر دوڑایا کرتے تھے۔ قربانی

تک وہ اتنی تیار ہوگئی کہ ارزانی کے اس زمانے میں بھی قصائی اس کی قیمت 80 روپے دے رہے تھے۔ مگر مولانا نے کسی کو نہ دی اور قربانی کے دن ذبح کیا۔ جب ذبح ہوئی تو مولانا کے دل پر اثر ہوا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کچھ عرصہ تک ساتھ رکھنے کی وجہ سے اور پرورش کرنے کی وجہ سے اس کے ساتھ آپ کو محبت ہوگئی تھی۔ چنانچہ آپ نے محبوب چیز کی قربانی دے کر نیکی کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔

اتباع سنت:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھتے تھے۔ کسی شاگرد نے عرض کیا، حضرت! بیٹھ کر نوافل پڑھنے کا ثواب تو آدھا ہے۔ حضرت نے فرمایا، ہاں، بھائی! یہ تو مجھے معلوم ہے مگر بیٹھ کر پڑھنا حضور ﷺ سے ثابت ہے اس لیے سنت عمل کو اپنایا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا معمول رمضان میں تراویح کے بعد سے صبح تک قرآن پاک سننے کا تھا۔ حافظ بدلتے رہتے اور حضرت اخیر تک کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے کبھی کبھی پاؤں پر ورم بھی آ جاتا تھا۔ تو اس پر خوش ہوتے کہ حتی تورمت قدماہ کی سنت کی موافقت نصیب ہوگئی۔

معمولات کی پابندی:

زمانہ نظر بندی میں حضرت اکثر توجہ الی اللہ میں خاموش رہتے یا تسبیح اور ذکر اللہ میں مشغول رہتے، عشا کی نماز کے بعد تھوڑی دیر اپنے وظائف پڑھتے پھر آرام فرماتے اور دو بجے کے قریب سخت سردی میں اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز تہجد میں مصروف ہو جاتے۔ نماز تہجد کے بعد اپنی چارپائی پہ بیٹھ کر صبح صادق تک مراقبہ اور ذکر خفی میں مشغول رہتے جب کہ مالٹا کی سردی مشہور و معروف ہے۔

دنیاداروں سے بے رغبتی:

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے متعلق حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں اور کمالات کے علاوہ ایک عجیب بات یہ تھی کہ امراء سے ذرہ برابر دلچسپی نہ تھی۔ جب تک کوئی امیر پاس بیٹھا رہتا اس وقت تک حضرت کے دل پر انقباض رہتا۔ نواب یوسف علی خان صاحب کو میں بعضے بزرگوں کی طرف زیادہ متوجہ کرتا تھا۔ مگر ان کو حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف زیادہ میلان تھا۔ میں نے ایک روز نواب صاحب سے دریافت کیا کہ میں آپ کو اور بزرگوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہو گئے ہیں۔ اس کی کیا خاص وجہ ہے؟ کہنے لگے کہ جس جگہ میں جاتا ہوں تو وہ میرے جانے سے خوش ہوتے ہیں اور بہت زیادہ خاطر تواضع کرتے ہیں لیکن جب شیخ الہند کے پاس جاتا ہوں تو مولانا مجھ سے طبعاً ایسی نفرت کرتے ہیں جیسے کسی کو گندگی سے بو آتی ہو۔ میں اس سے یہ سمجھتا ہوں کہ وہاں دین ہے اور خالص دین ہے، دنیا بالکل نہیں ہے، اس لئے میں ان کا معتقد ہوں۔

تواضع اور انکساری:

مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک واقعہ سنایا کہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سفر حجاز کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور وہاں سے گرفتار ہو کر مالٹا گئے تو اس وقت کی بات ہے کہ ہمارے مکان پر تشریف لائے۔ دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا (اہلیہ محترمہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں عرض کیا کہ اماں جی میں نے آپ کی کوئی خدمت نہیں کی، بہت شرمندہ ہوں، اب سفر پر جا رہا ہوں، ذرا حضرت

نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا جوتا دے دیجئے۔ انہوں نے پس پردہ سے جوتا آگے بڑھا دیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو لیکر اپنے سر پر رکھا اور روتے رہے اور کہتے رہے کہ یا اللہ! میری کوتاہیوں کو معاف فرما دیجئے۔

محبت شیخ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پان نہیں کھایا کرتے تھے لیکن اگالدان پاس رہتا تھا۔ کبھی کبھار کھانسی وغیرہ کی وجہ سے بلغم اس میں ڈالتے تھے جو سوکھ بھی جاتا تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اس اگالدان کو بہت چپکے سے کہ کوئی نہ دیکھے، اٹھایا اور باہر لے جا کر اس کو دھو کر پی لیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ سے وہ عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا جس کو ترقی ، باطن میں ہزار اذکار اور ریاضتوں کے زیادہ دخل ہے۔ اس ضمن میں آپ کی کیفیت یہ تھی کہ

انبساط عید دیدن روئے تو
عیدگاہ ما غریباں کوئے تو

علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیری قدس سرہٗ

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری 27 شوال المکرم 1292ھ کو بوقت صبح اپنے علاقہ لولاب، کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا معظم شاہؒ بڑے عالم ربانی، زاہد و عابد اور کشمیر کے مشہور خاندانی پیر و مرشد تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے جا کر ملتا ہے۔

آپ نے چار پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد سے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن پاک کے علاوہ متعدد فارسی رسائل بھی ختم

کر لیے۔ پھر مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی۔ آپ بچپن میں ہی بے حد ذہین اور فطین تھے۔ تین سال تک آپ ہزارہ و سرحد کے متعدد علماء و صلحاء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے۔ پھر جب علوم و فنون کی پیاس وہاں بجھتی نظر نہ آئی تو ہندوستان کے مرکز علم دارالعلوم دیوبند کی شہرت سن کر ۱۳۰۷ھ میں ہزارہ سے دیوبند تشریف لے آئے۔ چار سال وہاں رہ کر آپ نے وہاں کے مشاہیر علماء کرام سے علمی، عملی اور باطنی فیض حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اسحاق امرتسری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام رسول ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات شامل ہیں۔ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں گنگوہ پہنچے۔ وہاں سے سند حدیث حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فیوضات باطنی بھی حاصل کیے۔ پھر تین چار سال دہلی میں مدرسہ امینیہ میں مدرس اول رہے۔ بعد ازاں کشمیر واپس تشریف لے گئے وہاں بھی تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۱۳۲۳ھ میں آپ نے کشمیر کے بعض مشاہیر علماء کی رفاقت میں حج بھی کیا۔ سفر حج میں طرابلس، بصرہ، اور مصر و شام کے جلیل القدر علماء نے آپ کی بہت عزت کی اور سب نے آپ کی خداداد لیاقت و استعداد کو دیکھ کر سندات حدیث عطا کیں۔ تین سال کشمیر رہنے کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور وہاں مدرس مقرر ہوئے۔ سالہا سال وہاں تدریسی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ نے وہاں کے اساتذہ کرام اور مدرسین کے ساتھ عجیب علمی اور تحقیقی ماحول قائم کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے حجاز مقدس تشریف لے جانے کے بعد آپ وہاں کے صدر مدرس مقرر ہوئے ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس کی حیثیت سے درس حدیث دیتے رہے۔

اس کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۱ھ تک وہیں درس حدیث دیتے رہے۔ 2 صفر 1352ھ کو آخری شب ساٹھ سال کی عمر میں آپ نے دیوبند میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

علمی استفادہ:

ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ انجمن خدام الدین کے کسی سالانہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر علامہ اقبال صاحب خود ملاقات کے لئے حضرت موصوف کی قیام گاہ پر آئے اور انہیں اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ دعوت کا صرف بہانہ تھا ورنہ اصل مقصد علمی استفادہ کرنا تھا۔ ڈاکٹر علامہ اقبال کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی اسلامی مسئلہ پر کسی بڑے عالم سے گفتگو کرتے تھے تو بالکل ایک طالبعلمانہ انداز سے کرتے تھے، مسئلہ کے ایک ایک پہلو کو سامنے لاتے اور اس پر اپنے شکوک وشبہات کو بے تکلفانہ بیان کرتے تھے، چنانچہ کھانے سے فراغت پا کر انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کو بڑے صبر وسکون کے ساتھ سنا اور اس کے بعد ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی کہ ڈاکٹر صاحب کو ان دو مسئلوں پر کلی اطمینان نصیب ہو گیا اور کچھ بھی خلش ان کے دل میں باقی نہ رہی۔ اس کے بعد انہوں نے ختم نبوت پر وہ لیکچر تیار کیا جو ان کے چھ لیکچرز کے مجموعہ میں شامل ہے اور قادیانی تحریک پر وہ ہنگامہ آفرین مقالہ سپرد قلم فرمایا جس نے انگریزی اخبارات میں شائع ہو کر پنجاب کی فضا میں تلاطم برپا کر دیا تھا۔

بے مثال حافظہ:

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے بے نظیر حافظہ عطا فرمایا تھا۔ کسی فن کی کسی

کتاب کو شروع سے آخر تک ایک دفعہ مطالعہ کر لیتے اور جب کبھی سالہا سال کے بعد اس کے متعلق کوئی بات چھڑتی تو اس کتاب کے مندرجات کو اس طرح حوالوں کے ساتھ بیان فرما دیتے کہ سننے والے ششدر و حیران رہ جاتے۔ ایک کتاب کے اگر پانچ پانچ یا دس دس حواشی بھی ہوتے تو وہ آپ کو یاد ہوتے تھے۔ حوالہ جات کتب صحیحہ مع جلد و صفحات آپ کو ایک ہی دفعہ مطالعہ سے ذہن نشین ہو جاتے تھے اور جس وقت کسی اہم علمی مسئلہ پر تقریر فرماتے تھے تو بے شمار کتابوں کے حوالے بلا تکلف دیتے۔ آپ کی قوت حافظہ آن منکرین حدیث کے لئے گویا زندۂ جاوید ثبوت تھا جو محدثین کے حافظہ پر اعتماد نہ کرتے ہوئے ذخیرہ حدیث کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے "میں جب کسی کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے مباحث کو محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا تب بھی پندرہ سال تک اس کے مضامین مجھے محفوظ ہو جاتے ہیں"۔

مسئلے کا فوری حل:

کشمیر میں ایک دفعہ علماء کے درمیان اختلاف ہوا اور ہر ایک کا جواب دوسرے سے مختلف رہا۔ اسی دوران میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی کشمیر تشریف لائے۔ فریقین شاہ صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور دونوں نے مختلف فیہ مسئلہ کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میں نے فتاویٰ عماریہ کے "مخطوطہ" کا دار العلوم کے کتب خانہ میں مطالعہ کیا ہے، اس میں یہ عبارت ہرگز موجود نہیں۔ یہ لوگ تصحیف کر رہے ہیں یا تدلیس اس پر حاضرین متحیر ہوئے اور مستدلین مبہوت ہو کر رہ گئے۔

حافظہ کی دعا:

کئی ایک بزرگوں سے سنا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض دفعہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص کعبۃ اللہ کے غلاف کو پکڑ کر دعا کر رہا تھا کہ خداوند تعالیٰ! مجھے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ عطا فرما۔ اس کی دعا قبول کی گئی۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے فرمایا کہ یہ شخص خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ بات بطور تحدیث نعمت ان کی زبان پر آجاتی تھی۔ مگر اپنے نام کا اخفا کر جاتے تھے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبندی ہمیشہ حضرت شاہ صاحب کو چلتا پھرتا کتب خانہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا میاں اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جب مسئلہ فقہ میں کوئی دشواری پیش آتی ہے تو کتب خانہ دارالعلوم کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر کوئی چیز مل گئی تو فبہا ورنہ پھر حضرت سے رجوع کرتا ہوں۔ شاہ صاحب جو جواب دیتے میں اسے آخری اور تحقیقی پاتا ہوں اور اگر حضرت شاہ صاحب نے کبھی یہ فرمایا کہ میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہوتا ہے کہ اب یہ مسئلہ کہیں نہیں ملے گا اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

علم کی قبر......!!!

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا یا ایک مرتبہ سن لیا وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا گویا کہ اپنے زمانہ کے زہری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ کے بازار سے گزرتے تو کانوں میں انگلیاں دے لیتے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ میرے کانوں میں جو

داخل ہو جاتا ہے وہ نکلتا نہیں۔ اس لئے بازار سے گزرتے وقت کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہوں تا کہ بازار کی خرافات میرے کانوں میں داخل نہ ہوسکیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد ایک دفعہ دیوبند کے قبرستان میں پھر رہے تھے فرمایا کہ میں علم کی قبر کے پاس پھر رہا ہوں۔ یہ قبر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ مطالعہ کے سلسلہ میں فنون عصریہ، فلسفہء جدید، ہیئت جدید حتیٰ کہ فن رمل اور جفر کی کتابوں کو بھی بغیر مطالعہ کے نہ چھوڑا۔

علم کا ادب:

حضرت کے ادب علم کا یہ عالم تھا کہ خود ہی فرمایا کہ میں کتاب کو مطالعہ کے وقت اپنے تابع کبھی نہ کرتا بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کتاب پر حاشیہ ٹیڑھا یا ترچھا ہوتا تو بجائے اس کے کہ کتاب کو حاشیہ کے مطابق پھیر لیں کتاب کو بغیر ہلائے آپ اس طرح گھوم جاتے تھے جیسے پروانہ شمع کے گرد گردش کر رہا ہو۔ چنانچہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ لیٹ کر مطالعہ کرتے ہوں، یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں۔ بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے۔ گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں۔ گویا مشہور مقولہ کے مطابق کہ ”علم اپنا بعض بھی کسی کو نہیں دیتا جب تک اپنا کل اس کے حوالے نہ کر دیا جائے“۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ”میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا“۔ سبحان اللہ۔

ایک پیر کی توجہ کا واقعہ:

اپنے بارے میں حضرت نے ایک واقعہ سناتے ہوئے فرمایا کہ ایک دفعہ میں

کشمیر سے چلا، راستہ میں کافی مسافت گھوڑے پر سوار ہو کر طے کرنا پڑتی تھی۔ راستہ میں ایک صاحب کا ساتھ ہو گیا۔ یہ پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کے مرید تھے۔ یہ مجھ سے اپنے پیر کے کمالات و کرامات کا تذکرہ کرتے رہے۔ ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں اور اتفاق سے وہ مقام میرے راستے میں ہی پڑتا تھا۔ میں نے بھی ارادہ کر لیا۔ جب ہم دونوں پیر صاحب کی خانقاہ پر پہنچے تو ان صاحب نے کہا کہ نئے آدمیوں کو اندر حاضر ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے اور ان بزرگ نے اطلاع پا کر خود اپنے صاحبزادے کو مجھے لینے کے لئے بھیجا اور اکرام سے پیش آئے۔ خود ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی سب مریدین و طالبین نیچے فرش پر تھے۔ مگر مجھے اصرار سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، کچھ باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد اپنے مریدین کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے طریقہ پر ان پر توجہ ڈالنی شروع کی۔ اور اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے، میں یہ سب دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا، میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر بھی توجہ فرمائیں۔ انہوں نے توجہ دینا شروع کی۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا اور بہت محنت کی لیکن مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے خود ہی فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

چہرے پر انوارات:

حضرت مولانا محمد انوریؒ فرماتے تھے کہ حضرت کشمیری بہاولپور شہر میں جامع مسجد و دیگر مقامات پر قادیانیت کے خلاف تقریر کرنے کے لئے علماء کو بھیجتے رہتے تھے۔ دو دفعہ اس احقر کو بھی بھیجا۔ ان ایام میں اس قدر حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چہرۂ مبارکہ پر انوار کی بارش ہوتی رہتی تھی۔ ہر شخص اس کو محسوس کرتا تھا۔ احقر

نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرے میں مراقبہ فرما رہے ہیں لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں حالانکہ اس وقت بجلی گل ہوتی تھی۔

تنہائی میں ملاقات سے انکار:

ایک مرتبہ حیدر آباد کے مولوی نواب فیض الدین صاحب ایڈووکیٹ نے حضرت شاہ صاحب کو اپنی لڑکی کی شادی میں بلایا۔ چونکہ نواب صاحب اور ان کے خاندان کو علمائے دیوبند کے ساتھ قدیم رابطہ اور قلبی علاقہ تھا اس لئے دوران قیام میں بعض لوگوں نے چاہا کہ حضرت شاہ صاحب اور نظام کی ملاقات ہو جائے۔ حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا "مجھ کو ملنے میں عذر نہیں ہے لیکن اس سفر میں نہیں ملوں گا۔ کیونکہ اس سفر کا مقصد نواب صاحب کی بچی کی تقریب میں شرکت تھا۔ اور میں اس کو خالص ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ ہر چند لوگوں نے کوشش کی اور ادھر نظام صاحب کا بھی ارادہ تھا مگر شاہ صاحب رضا مند نہیں ہوئے۔ اسی قیام حیدر آباد کے زمانے میں ایک روز سر اکبر حیدری کا فون آیا (جو بعد میں آسام کے گورنر بنے) کہ میں مولانا انور شاہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ فرمایا "کہ انہیں کہہ دیں کہ میں یہیں ہوں آجائیں" حیدری صاحب کو پیغام پہنچایا گیا تو انہوں نے کہا بہت اچھا میں حاضر ہوتا ہوں۔ مگر میرے آنے پر حاضرین مجلس کو اٹھا دیا جائے۔ میں تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت کو پیغام دیا گیا تو فرمایا کہ ناممکن ہے کہ میں حیدری صاحب سے باتیں کرنے کے لئے حاضرین مجلس کو چھوڑ کر الگ جا بیٹھوں یا ان لوگوں سے میں کہوں کہ چلے جائیں۔

متانت و سنجیدگی کا واقعہ:

"اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی" کے مصداق حضرت شاہ صاحب رحمۃ

اللہ علیہ اعلان حق کرنے کے لئے نیز قضیہء زمین برسرِ زمین کی خاطر کئی دفعہ قادیان تشریف لے گئے اور وہاں پبلک جلسہ کر کے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ مرزائیوں نے حکام سے مل کر بہت کوششیں کی کہ ان جلسوں پر پابندی لگائی جائے مگر آپ جلسے میں جس متانت اور سنجیدگی کے ساتھ جلوہ گر ہوتے تھے اس کی بنا پر پابندی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ جب قادیانی جلسہ بند کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو پھر جلسہ سے قبل حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دھمکی آمیز خطوط لکھا کرتے کہ اگر تم یہاں آئے تو قتل کر دیئے جاؤ گے اور واپس نہ جا سکو گے۔ یہ صرف دھمکی ہی نہ ہوتی تھی بلکہ کئی دفعہ عملاً کوشش کی گئی مگر

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

منور صورت:

مولانا محمد انوری فیصل آبادی ﷫ اپنی تالیف ”کمالاتِ انوری“ میں رقم طراز ہیں کہ ایک بار صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے آپ وزیر آباد کے اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں تشریف رکھتے تھے۔ تلامذہ اور معتقدین کا ہجوم اردگرد جمع تھا۔ وزیر آباد اسٹیشن کا ہندو اسٹیشن ماسٹر ہاتھ میں بڑا لیمپ لئے ہوئے ادھر سے گزرا۔ حضرت کشمیری پر نظر پڑی تو رک گیا اور غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا کہ جس مذہب کا یہ عالم ہے وہ مذہب جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حضرت کشمیری ﷫ کے ہاتھ پر کفر سے توبہ کی اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہوا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ پنجاب میں ہی پیش آیا کہ آپ کی منور صورت دیکھ کر ایک غیر مسلم کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی، سبحان اللہ۔

چہرے سے اسلام کی دعوت:

مولانا محمد علی مونگیری کی دعوت پر ایک مرتبہ حضرت کشمیریؒ قادیانیت کی تردید کے لئے مونگیر تشریف لے گئے تو چند روز اجتماع میں آپ کے مسلسل بیانات ہوئے تو علاقہ کا ایک بڑا ہندو سادھو پابندی سے ان اجتماعات میں شرکت کرتا۔ آخری دن اس کی زبان پر یہ کلمات بے اختیار جاری تھے کہ یہ شخص اپنے چہرے سے اسلام کی دعوت دیتا ہے۔

دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بلیاوی کہتے تھے کہ ایک بار جمعہ کے روز سردی کے زمانہ میں حضرت شاہ صاحب سبز پوشاک میں ملبوس دارالعلوم سے جامع مسجد کے لئے روانہ ہوئے۔ میری نظریں آپ پر پڑیں تو اپنے بارے میں خود اندیشہ ہوا کہ کہیں شاہ صاحب کو نظر نہ لگ جائے۔

''حیات انور'' میں مولانا منظور صاحب نعمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ میں اور میرے ساتھ طلبا کی ایک بڑی تعداد درس حدیث میں حضرت کشمیری رحمہ اللہ سے علمی استفادہ کے ساتھ ساتھ ان کے حسن و جمال سے بھی آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔

مظفر نگر کے مشہور طبیب حکیم فتح محمد صاحب جو علاقہ کے ایک نہایت تجربہ کار حکیم اور خاندانی رئیس تھے ان کا بیان ہے کہ میں بھرپور شباب میں جب کہ میرا جمال و رعنائی عروج پر تھی دلی میں طب پڑھنے کے لئے گیا۔ حکیم اجمل صاحب کے والد سے بعض کتابیں پڑھنے کا پروگرام تھا۔ ملاقات ہوئی تو حکیم صاحب نے عربی میں میری قابلیت و استعداد کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ ہیئت میں مزید کچھ کتابیں پڑھنے کے لئے حکم فرمایا اور یہ بھی کہ مولانا نذیر احمد صاحب محدث دہلوی سے پڑھوں۔ میں محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوا تو موصوف نے اپنی کبرسنی کا عذر کرتے ہوئے بتایا کہ دہلی میں ایک تو وارد عالم مولانا انور شاہ کشمیری سنہری مسجد میں

پڑھاتے ہیں۔ یہاں ان کتابوں کا درس صرف وہی دے سکیں گے۔ میں سنہری مسجد میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری درخواست پر کچھ وقت عنایت فرمایا۔ سبق کے لئے حاضر ہوتا تو آپ نظریں نیچی کئے ہوئے پڑھاتے۔ دو تین سال میں میری یہ تمنا کبھی پوری نہ ہو سکی کہ حضرت شاہ صاحب نظر اٹھا کر مجھے دیکھیں۔ مرض الوفات میں مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب حضرت شاہ صاحب کی نبض دکھانے کے لئے دیوبند لے گئے۔ میں اس تصور کے ساتھ حاضر ہوا کہ چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے اور دوران تعلیم آپ نے مجھے کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا اب پہچاننے کا کیا سوال؟ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حاضری پر آپ نے میرا نام، سکونت اور دہلی میں پڑھنے کی تفصیلات سنائیں۔ متحیر ہو کر میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ فرمایا کہ آواز سے آپ کو پہچان لیا۔ حضرت کشمیری کا تقویٰ اس قدر تھا کہ امارد سے بھی نظروں کی حفاظت فرماتے تھے۔

نگاہوں کی پاکیزگی:

مشہور عارف باللہ مولانا عبدالقادر رائے پوری ؒ فرماتے ہیں حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مہینوں مسجد سے باہر نہ نکلتے تھے اور کبھی ضرورت کے لئے باہر نکلنا ہوتا تو چہرے پر رومال اس طرح ڈال لیتے کہ سوائے راستہ کے گردو پیش کے کوئی چیز نظر نہ آتی۔ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ کسی غیر محرم عورت پر نظر نہ پڑ جائے۔

اتفاقاً ایک روز مہتمم صاحب کی والدہ ہمارے گھر میں تشریف رکھتی تھیں۔ مرحوم تشریف لائے اور زنان خانہ میں آنے کی اجازت چاہی۔ والدہ کو سہو ہوا اور اجنبیہ کی موجودگی کا خیال دل سے نکل گیا۔ اندر آنے کی اجازت دی۔ حضرت نے

زنان خانہ میں قدم رکھا تو ان اجنبیہ پر نظر پڑنے کے ساتھ ہی استغفار پڑھتے ہوئے الٹے پاؤں باہر لوٹ گئے۔ اس اتفاقی حادثہ کی تکلیف جو کچھ آپ کو ہوئی وہ ایک مدت تک کے لئے اہلیہ مرحومہ سے ناراضگی کی شکل اختیار کر گئی بلکہ اپنے سبق میں طلبا کے سامنے غمگین لہجہ میں فرمایا کہ بھائی! بالغ ہونے کے بعد کل بلا ارادہ مولانا طیب صاحبؒ کی والدہ پر نظر پڑ گئی جس کی تکلیف سوہان روح کی طرح محسوس کرتا ہوں۔

کسب حرام سے حفاظت:

آپ کے نامور شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ثم مہاجر مدنی فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ دیوبند سے سفر فرما رہے تھے اور رفیق سفر کی حیثیت سے میں آپ کے ساتھ تھا۔ ریل کے جس ڈبہ میں سوار ہوئے اس میں دو خوش رو عورتیں بھی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب جب گاڑی میں تشریف رکھتے تو اپنے منور چہرہ کی وجہ سے مرکز نگاہ بن جاتے۔ یہ عورتیں برابر آپ کو دیکھتی رہیں اور آپ حسب دستور کتاب کے مطالعہ میں مستغرق رہے۔ دونوں عورتوں کے ساتھ ایک بڑا پاندان تھا۔ انہوں نے پان لگایا اور طشتری میں رکھ کر مجھے دیا کہ ان بزرگوں کو پیش کروں۔ دونوں کا اصرار اتنا بڑھا کہ ان سے پان لینے اور شاہ صاحب کو پیش کرنے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہ رہا۔ میں نے طشتری آپ کے سامنے کر دی۔ استغراق مطالعہ میں آپ نے بھی بے تکلف پان منہ میں رکھ لیا ابھی چند منٹ نہ گزرے تھے کہ آپ پر مسلسل متلی کی کیفیت شروع ہو گئی۔ پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ کوئی نشہ آور چیز تو پان میں نہیں دے دی گئی۔ لیکن ان کے پاس موجود دوسرے پان کو خوب دیکھنے کے بعد یہ بدگمانی بھی جاتی رہی۔ میرٹھ کے اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ دونوں عورتوں کا تعلق طوائفوں سے تھا۔ اب معلوم ہوا کہ اس پاکیزہ باطن انسان کا معدہ حرام کسب کے پان کو بھی گوارہ کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اللہ اکبر مردان خدا کے ساتھ خدائے حفیظ وحافظ کا یہ

حفاظتی معاملہ ہوتا ہے۔

علم کی عظمت:

مولانا بدر عالم راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ڈابھیل کے زمانہ قیام میں میں نے عرض کیا، آپ صاحب اہل وعیال ہیں اگر بخاری شریف کی شرح یا قرآن مجید کی تفسیر تصنیف فرمائیں تو آپ کے علوم کی حفاظت کے ساتھ آئندہ بچوں کے لئے بھی ان تصانیف سے کچھ انتظام ممکن ہے۔ اس گذارش پر آپ کا جواب یہ تھا کہ عمر بھر حدیث بیچ کر گزر اوقات کی، مولوی صاحب! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میرے بعد بھی میرا علم فروخت ہوتا رہے؟

حقیقت پسندی:

دیوبند سے ''مہاجر'' کے نام سے ایک اخبار نکلتا تھا۔ اس اخبار میں نظام حیدر آباد اور آپ کی ملاقات کی خبر اس جلی سرخی کے ساتھ شائع کی جا رہی تھی

''بارگاہ خسروی میں علامہ جلیل مولانا انور شاہ کشمیری کی باریابی''

اخبار چھپا نہیں تھا کہ کسی طرح آپ کو عنوان کی اطلاع ہوگئی۔ اخبار کے منتظمین کو بلا کر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہر چند کہ میں ایک فقیر بے نوا ہوں مگر اتنا گیا گزرا ہوا بھی نہیں کہ اس طرح کے عنوانات کو برداشت کروں۔ کیسی بارگاہ خسروی؟ اور کہاں کی باریابی؟ صرف اتنا لکھئے ''نظام حیدر آباد سے انور شاہ کی ملاقات''۔

کتابوں کا ادب:

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کا بیان ہے کہ بارہا حضرت سے سنا کہ میں نے

سات سال کی عمر کے بعد دین کی کسی کتاب کو بغیر وضو کے ہاتھ نہیں لگایا اور مطالعہ کے دوران کبھی کتاب کو اپنے تابع نہیں کیا۔ اگر کتاب میرے سامنے رکھی ہوئی ہے اور حاشیہ دوسری جانب ہے تو ایسی کبھی نوبت نہیں آئی کہ حاشیہ کی جانب کو گھما کر اپنے سامنے کر لیا بلکہ اٹھ کر اس جانب جا بیٹھا ہوں جس جانب حاشیہ ہوتا۔

کتابوں کا ادب اور تواضع کی یہ برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ اپنے اساتذہ کرام کا احترام اور ان کے سامنے آپ پر تواضع و انکسار اس درجہ غالب رہتا کہ مولانا اعزاز علی صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے روبرو شاہ صاحب ہوئے تو اس قدر جھک جاتے کہ آپ کے گرنے کا اندیشہ ہوتا۔

اساتذہ کا ادب:

مولانا مشیت اللہ صاحب کے بڑے صاحبزادے حکیم محبوب الرحمٰن فاضل دیوبند کا بیان ہے کہ میں جب دیوبند پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کے رہائشی کمرہ میں میرا قیام تھا۔ حضرت کو پان کی عادت تھی۔ ایک روز میں نے پان لگا کر پیش کیا تو آپ نے منہ میں رکھا ہی تھا کہ مجھے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سامنے سے تشریف لاتے ہوئے نظر آئے جو کسی ضرورت سے اپنے شاگرد کے پاس تشریف لا رہے تھے۔ شاہ صاحب کو حضرت کے آنے کی اطلاع کی گئی۔ میں اس اضطراب کو بھول نہیں سکتا جو اس وقت شاہ صاحب پر اپنے استاد کی آمد اور منہ سے پان نکالنے کی عجلت کی صورت میں طاری تھا۔ تیزی کے ساتھ اپنے منہ کو صاف کیا اور کمرے کے دروازے پر ایک سراپا انکسار خادم کی حیثیت سے اپنے آقا کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔

دولتمندوں سے اعراض:

مولانا میاں محمد سملکی جنہیں والد مرحوم کی زندگی میں عقیدتمندانہ نیاز کا خاص مقام حاصل تھا۔ وہ اپنے ماضی میں ایک بڑے مالدار باپ کے بیٹے تھے اپنی زندگی میں تعمیر کردہ کارخانوں کے مالک اور افریقہ میں سونے کی کان کے ٹھیکیدار رہے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جب اپنی عقیدت کی بنا پر انہوں نے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طویل مدت تک رفاقت اختیار کی تو مولانا بدر عالم کا بیان ہے کہ میری وساطت سے حضرت شاہ صاحب نے مولانا سملکی کو یہ پیغام پہنچایا کہ ان صاحب سے کہہ دیجئے کہ ہمارے پاس سے رخصت ہو جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھ تعلق کو عام لوگ ان کی دولتمندی کا نتیجہ گردان لیں۔

علمی وقار کا اظہار:

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب فرزند ارجمند حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مولانا محمد میاں سملکی جب دیوبند میں پڑھتے تو میری ہمشیرہ راشدہ خاتون جن کی عمر اس زمانہ میں سات آٹھ سال کی تھی اور بچیوں کے عام دستور کے مطابق اپنی گڑیا کی تقریب شادی کے انتظامات میں مصروف تھی۔ مولانا سملکی نے بازار سے کچھ بیش قیمت کپڑوں کے ٹکڑے گڑیا کے لئے خرید کر دیئے۔ عصر کا وقت تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت معمولاً اپنے مخصوص کمرہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ وضو کر رہے تھے کہ ہمشیرہ کپڑوں کا یہ تحفہ لئے ہوئے سامنے سے گزریں۔ اشارہ سے بلا کر تحقیق حال کی اور معصوم بچی سے پوری کیفیت سننے کے بعد شدید غصہ کا اظہار فرمایا۔ الفاظ کچھ یہ تھے کہ

"یہ صاحب کیا اپنی دولت سے ہمارا علم خریدنا چاہتے ہیں"

استاذ کی خدمت:

مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ فیصل آبادی کا بیان ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے جو اس علمی درسگاہ کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ اسی زمانہ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ رہائی کے بعد دیوبند پہنچے۔ مجھے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا اب تک موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن آپ کی علمی عظمت کا احساس آپ کے سینکڑوں تلامذہ سے سن کر دل و دماغ پر غالب تھا۔ دیوبند پہنچنے کے بعد میرے والد مجھے لے کر آستانہ شیخ الہند پر پہنچے۔ گرمی کا زمانہ تھا اور ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ حضرت کی مردانہ نشست گاہ میں ایک ہجوم حضرت کو چہار طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔ چھت سے لٹکے ہوئے پنکھے کو ایک صاحب کھینچ رہے تھے جن کے پرانوار چہرہ کی معصومیت و نورانیت، شکوہ علم اور جلالت علمی کی ملی جلی کیفیت دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ ایک صاحب نے مجھے چپکے سے کہا کہ یہ پنکھا کرنے والے حضرت مولانا انور شاہ دارالعلوم کے صدر مدرس ہیں۔ یہ سن کر میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ جس ذات گرامی کی علمی شہرتوں سے عالم گونج رہا ہے اور جس کے خود اپنے شاگردوں کا اس مجلس میں ہجوم ہے کس عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے استاد کی خدمت میں مصروف ہیں۔

مالٹا سے تشریف لانے کے بعد دوپہر کو معمولاً حکیم صفت احمد صاحب کی حاضری حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہوتی۔ حضرت اس وقت کچھ آرام فرماتے اور حکیم صاحب آپ کا بدن دباتے۔ ایک روز حضرت چادر اوڑھے ہوئے استراحت فرما رہے تھے اور حکیم صاحب حسب دستور بدن دبا رہے تھے کہ اچانک حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ آنے کو تو آ گئے لیکن یہ دیکھ کر کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں بڑی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ لمحات ایسے گزرے کہ اپنی

سانس روکے رہے۔ اس طرح کہ جیسے آپ زندہ ہی نہ ہوں۔ ساری کوشش اس لئے تھی کہ حضرت استاد کو کسی تیسرے کی موجودگی کا احساس ہو کر آرام میں خلل نہ آئے"۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ ہے۔ آپ کا آبائی وطن موضع اللہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔ آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کے خلیفہ خاص تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اور قرآن پاک اپنے والد ماجد سے پڑھا۔ 13 سال کی عمر میں آپ دیوبند تشریف لے گئے اور اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحب اور شفیق استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی تعلیم پاتے رہے۔ آپ کے آثار سعادت، جذبہ خدمت، قابلیت اور استعداد کو دیکھتے ہوئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ پر خصوصی توجہ دی لہٰذا درس نظامی کی ۶۷ کتابیں آپ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں ختم کر ڈالیں۔ اور علم نبوت کے نیر اعظم بن کر دارالعلوم کے در و دیوار کو منور کرنے لگے۔ اساتذہ غایت شفقت و محبت نیز کم عمر ہونے کی وجہ سے آپ کو مستوراتی منشی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اساتذہ کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے میں آپ نے کبھی عار محسوس نہ کیا۔

آپ ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنگوہ شریف حاضر ہوئے اور حضرت سے بیعت ہو گئے۔ اس وقت آپ کا ارادہ مکہ مکرمہ جانے کا تھا۔ لہٰذا

حضرت گنگوہیؒ نے آپ سے فرمایا کہ میں نے تمہیں بیعت تو کر لیا ہے مکہ مکرمہ میں شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں ان سے ذکر سیکھنا۔ چنانچہ آپ مکہ مکرمہ میں پہنچے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو اپنی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ان کے ارشاد کردہ فرمان کے بارے میں بتایا۔ اس پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ذکر تلقین فرمایا اور فرمایا کہ صبح آ کر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو۔ ان کی توجہات باطنیہ سے آپ کی روحانی تربیت ہوتی رہی۔ اور جب آپ مکہ سے مدینے روانہ ہوئے تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ تم کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ مدینہ منورہ پہنچے تو عرصہ دراز تک درس حدیث دیتے رہے اور ذکر و مراقبہ میں مشغول رہے جس کی وجہ سے متعدد رویائے صالحہ اور بشارات آپ کو حاصل ہوئیں۔

جس وقت آپ ہندوستان سے چلے تھے تو استاد مکرم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ آپ کو مدینہ منورہ رخصت کر رہے تھے تو ارشاد فرمایا کہ پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے ایک دو ہی طالب علم ہوں۔ چنانچہ آپ نے استاد کی اس نصیحت کو ایسا گرہ میں باندھا کہ آخر دم تک پڑھاتے رہے۔ مدینہ منورہ کی فاقہ کشی کی زندگی، ہندوستان کی قید و بند کی زندگی میں برابر اس نصیحت پر عمل پیرا رہے اور اشتغال بالعلم رکھا اور علم کے دریا بہا دیے اور مرکز علم مدینہ منورہ میں وہ خصوصیت حاصل کی کہ عرب کی حدود سے نکل کر آپ ممالک غیر میں بھی شیخ حرم نبوی مشہور ہو گئے۔ عرصہ دراز تک حرم نبوی میں پڑھانے کے بعد ۱۳۲۶ھ میں آپ ہندوستان تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شرکت فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ نے آپ کو دیوبند میں مدرس رکھ لیا۔ دو سال بعد آپ دوبارہ مدینہ شریف تشریف لے گئے اور اسارت مالٹا تک وہیں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ مالٹا سے واپسی کے بعد

آپ کو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی خدمت کیلئے بلا لیا۔ کچھ دنوں کے بعد کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرسی کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں عریضہ بھیجا تو حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر آپ کلکتہ تشریف لے گئے اور تقریباً چھ سال تک وہاں رہے پھر آپ اس کی مدرسی سے بوجہ گرفتاری اور جیل علیحدہ ہوئے۔ پھر آپ سلہٹ کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آخری دم تک پڑھاتے رہے اس 31 سالہ زمانہ تدریس میں ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی سے مستفید ہوئے۔

اسلام کی خاطر سیاسی میدان میں بھی آپ نے بے انتہا خدمات سرانجام دیں۔ ہندوستان کی آزادی کیلئے آپ تمام عمر جان کو ہتھیلی پر رکھ کر تحاریک آزادی میں حصہ لیتے رہے اور کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور بالآخر انگریزوں کو ملک آزاد کرنا پڑا۔ تحریک آزادی میں اگرچہ آپ کے اور بعض علماء کے موقف میں اختلاف رہا اور آپ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو ان کے حقوق دلوانا چاہتے تھے۔ بہرحال آپ اپنے اجتہاد میں مخلص تھے۔

آپ ساری زندگی ملک وملت کی خدمت میں مصروف رہے اور بالآخر علمائے دیوبند کی اس عظیم نشانی نے ۱۳ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ بروز جمعرات بعد نماز عصر داعی اجل کو لبیک کہا۔

استاد کی خدمت:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے رفقاء حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ساتھیوں کے ہمراہ گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں بھیج دیا گیا۔ یہ حضرات وہاں چار سال مقید رہے۔ ان حضرات کے تقویٰ وزہد اور صبر واستقامت کا دوسرے قیدیوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ کئی قیدی جرمن تھے وہ تو بندۂ بے دام بن

گئے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسیری کے دوران قرآن پاک حفظ کیا اور حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ شب و روز گزار کر کندن بن گئے۔ آپ نے اپنے استاد شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بے مثال خدمت کی کہ جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ضعیف العمر اور مریض تھے۔ ٹھنڈا پانی استعمال کرنے سے تکلیف ہوتی تھی اور مالٹا میں بلا کی سردی پڑتی تھی مگر گرم پانی کہاں سے آتا۔ حضرت استاد کو گرم پانی مہیا کرنے کے لئے مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نماز عشاء اور دیگر ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد برتن میں پانی بھر لیتے اور اسے پیٹ سے لگا کر سجدہ کی حالت میں ساری رات اوپر پڑے رہتے۔ پھر تہجد کے وقت بکمال ادب و احترام استاد محترم کی خدمت میں گرم پانی پیش کر دیتے تھے۔

خدمت کی برکت:

مولوی ہدایت اللہ ساکن میاں چنوں ضلع خانیوال راوی ہیں کہ میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت! آپ ساڑھے چار سال حضرت شیخ کی خدمت میں رہے۔ آپ کی اس صحبت میں کوئی دوسرا حاصل ہونے والا نہیں تھا۔ آپ نے اس دوران بہت کچھ حاصل کیا ہوگا تو آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے، مولوی صاحب! میں نکما تھا کہ کچھ حاصل نہیں کر سکا۔ میں نے پھر بار بار عرض کیا تو فرمایا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ میں نے نیند پر قابو پالیا تھا۔ اب جب خیال آئے سو جاتا ہوں اور جس وقت اٹھنا چاہوں بیدار ہو جاتا ہوں۔ پانچ دس منٹ کے لئے بھی سو سکتا ہوں۔ ارادہ کروں تو نیند آ جاتی ہے۔ اس قسم کی بہت سی حکایتیں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہیں کہ کسی جگہ گئے وہاں پانچ دس منٹ فرصت ملی، سو گئے اور خود بخود اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہرحال نہ صرف نیند پر قابو پانا استاد کی خدمت کرنے سے حاصل ہوا بلکہ معرفت کے وہ دریا ہضم کئے ہوئے تھے جس کا

ایک گھونٹ بھی بے خود کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

ختم بخاری کی مجلس:

اصح الکتب بعد کتاب اللہ یہ لقب بخاری شریف کا ہے کہ یہ کتاب اللہ کے بعد دنیا میں صحیح ترین کتاب ہے۔ صحیح بخاری شریف کے ختم کے موقع پر جب آپ اپنے مخصوص لہجہ میں آخری حدیث کی تلاوت شروع فرماتے تو قلوب پر رقت طاری ہونے لگتی تھی۔ آپ حاضرین پر روحانی توجہ فرماتے تو تمام لوگ زار و قطار رونے لگتے تھے اور دل کانپ جاتے تھے۔ لوگ توبہ استغفار اس طرح سے کرتے تھے کہ جیسے دربار خداوندی میں حاضر ہیں اور رو رو کر اپنے گناہوں سے معافی چاہ رہے ہیں۔ اس موقع پر جو دعا مانگی جاتی تھی وہ ایسے تھی کہ آنکھیں اشکبار، دل مضطرب، زبان لڑکھڑاتی ہوئی، جسم کا رواں رواں کانپتا تھا۔ غرض ہر شخص ماہی بے آب کی طرح تڑپتا تھا اور توبہ واستغفار کرتا تھا۔

احوال وواقعات:

ماضی قریب کے اس درویش کامل کی شان عجیب تھی۔ عبادت وریاضت میں وہ جنید وشبلی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تھے، علم وفضل میں بخاری ورازی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تھے، اصلاح وتجدید میں وہ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی صف میں کھڑے نظر آتے تھے اور خدمت خلق میں وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی معلوم ہوتے تھے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بے حد متواضع اور خاکسار تھے۔ سفروں میں جاڑے کی راتوں میں پلیٹ فارم پر کسی کونہ میں مصلے پر کھڑے ہو کر تہجد میں مشغول ہوتے۔ خدام عرض کرتے تھے کہ حضرت ویٹنگ روم میں کیوں نہ کھڑے ہو گئے۔ تو جواب ملتا ہے

کہ مسافروں کی نیند خراب ہوتی ہے۔ مجھ جیسے شیخی خور اور روسیاہ انسان کو کیا حق ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو پریشان کرے۔

بعض اوقات رات کو 12 بجے بخاری شریف کا درس دے کر فارغ ہوتے تھے۔ سیدھے مہمان خانے میں تشریف لاتے اور مہمانوں کے بستر اور تکیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دیہاتی مہمان کو تکلیف میں پایا تو بذات خود اس کی تکلیف رفع کرنے میں لگ گئے۔ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کا یہ حال کہ ایک قدم بھی شریعت وسنت کے خلاف نہیں اٹھتا تھا۔ بندگی کا اتنا گہرا رنگ کہ اگر کوئی عقیدت کے جوش میں ہاتھ چومنے کے لئے ذرا جھکتا تو ہاتھ کھینچ لیتے۔ کسی کو پیر دبانے کی اجازت نہیں تھی۔ اور خود رات کو سوتے میں اپنے مہمانوں کے پاؤں دباتے رہتے۔ پھر توجہ الی الخلق کا یہ عالم کہ بندگان الٰہی کو انگریزی سامراج کے ظلم کی چکی میں پستا ہوا دیکھا تو پوری قوت سے آزادی وطن کے لئے میدان میں اتر آئے۔ اور انسانیت سوز مظالم اور برطانوی سامراج کے مذموم ارادوں کی مذمت میں تقاریر فرما کر کمزوروں میں حریت و آزادی کی تڑپ پیدا کردی۔ ذکر الٰہی اور محبت رسول ﷺ پر وعظ فرماتے تو دلوں کو نور ایمان سے روشن کر دیتے۔

مخلوق سے استغنا:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت پاتے ہی اپنے والدین کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ وہاں پہلے سے نہ کوئی جائیداد تھی، نہ وہاں اپنا کوئی کاروبار چل رہا تھا اور نہ ہی کوئی ذریعہ معاش تھا۔ عام لوگ ہجرت کر کے جاتے تھے حکومت سے وظیفہ پانے کے خواہشمند ہوتے تھے۔ مگر حضرت مدنیؒ اور ان کے والد محترم نے اسے پسند نہ کیا۔ حضرت مدنیؒ ایک مدرسہ کی خدمت کرنے لگ گئے۔

کتابیں بھی نقل کیں۔ آپ کے والد محترم نے ایک چھوٹی سے دکان کھول لی۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب کا بیان ہے کہ ان کے والد ماجد ڈاکٹر رفاقت علی صاحب نے جو مدینہ طیبہ کے کامیاب ڈاکٹر تھے، حد درجہ اصرار کیا کہ مولانا حسین احمد مدنی مولانا عبدالحق کو بطور ٹیوشن تعلیم دیں۔ لیکن میں اس زمانہ میں جب کہ فاقہ کی یہ حالت تھی کہ گھر کے تیرہ افراد تین پاؤ مسور کے پانی پر قناعت کرتے تھے۔ ٹیوشن لینا گوارا نہ کی۔ البتہ اس کے لئے آمادہ تھے کہ بلا معاوضہ جیسا کہ حرم شریف میں طلبہ کو درس دیتے ہیں، مولانا عبدالحق کو بھی درس دیتے رہیں گے۔ طرفین سے یہ اصرار عجیب تھا اور اس میں تقریباً چھ ماہ گزر گئے۔ بالآخر ڈاکٹر صاحب کو پسپا ہونا پڑا۔ کتنا عرصہ بغیر کسی معاوضہ کے پڑھاتے رہے۔ اتنی بے تکلفی اور یگانگت کے باوجود ان حضرات کو یہ علم نہ ہوسکا کہ گھر میں اکثر فاقے ہوتے ہیں۔ معلوم اس وقت ہوا جب تنگدستی خوشحالی میں بدل چکی تھی۔

دست بکار دل بیار:

جب آپ نماز میں مشغول ہوتے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ بندہ سارے عالم سے دستبردار ہو کر اپنے معبود کے ساتھ سرگوشی میں مشغول ہے۔ اور بارگاہ خداوندی میں باریابی حاصل کر رہا ہے۔ جو آیت بھی نماز میں تلاوت فرماتے سننے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا گویا قرآن اب اتر رہا ہے اور وہ کیفیت طاری ہوتی کہ جس کا بیان دشوار ہے۔ بارہا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سفر میں ہیں یا سفر کی مشقت برداشت کر کے ابھی آئے ہیں اور پھر سفر کرنا ہے مگر جب نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ایسی شان اور وقار کے ساتھ پڑھتے کہ گویا نہ پہلے کوئی تھکن ہے نہ آئندہ کوئی سفر کرنا ہے۔ ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے اور ”دست بکار دل بیار“ کے پورے مصداق تھے۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوتا

تھا جب انتہائی سوز و گداز کے ساتھ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث بار بار پڑھتے تھے۔ وصال سے ایک روز قبل کوئی صاحب دم کر رہے تھے کہ حضرت نے انتہائی بے قراری سے بار بار یہی پڑھا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا، حضرت! کیا کوئی تکلیف ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہی تکلیف کیا کم ہے کہ آپ حضرات مشغول ہیں اور میں بے کار پڑا ہوں؟ عرض کیا گیا، حضرت! آپ نے تو بہت کام کیا ہے۔ اتنا تو ایک جماعت بھی نہیں کر سکتی۔ ارشاد فرمایا، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

سادگی و بے تکلفی:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سادگی اور بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ طریقت اور عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنما کی تھی اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم، ملکی ہو یا غیر ملکی، آپ کے آستانہ پر حاضری کو ضروری اور باعث فخر سمجھتا تھا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سنت نبوی ﷺ کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ سنت کے موافق چمڑے کا تکیہ استعمال کرتے تھے اور چمڑے کا گول دستر خوان استعمال ہوتا تھا۔ جس پر ہمیشہ ایک سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں کم از کم دس بارہ آدمی دستر خوان کے گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھاتے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت بھی ہوتے تھے اور ساتھ مل کر کھاتے تھے۔ صبح کو ناشتے میں باسی روٹی اور مرچ کا اچار ہوتا تھا۔ یہی حضرت کا اور تمام مہمانوں کا ناشتہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت نے کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا، ہم آپ حضرات کے ہاں جاتے ہیں تو آپ مرغ اور حلوے کھلاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی اور مرچ کھانا پڑتی ہے۔ اس پر مولانا احتشام الحق کاندھلوی

نے فرمایا کہ حضرت! باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزیدار ہیں۔

رعب اور دبدبہ:

انتہائی خاکساری کے باوجود حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ وقار و تمکنت کا کوہ طور یا کوہ نور رہتے۔ ایک خاص نوع کا ہیبت و جلال چہرے پر عیاں تھا۔ باوجودیکہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہنس ہنس کر باتیں فرمایا کرتے تھے مگر مخاطب کا دل اندر سے لرزتا رہتا تھا اور بمشکل بات کی جاسکتی تھی۔ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی فرماتے تھے کہ میرا حال بھی یہی تھا حالانکہ میں اپنی نالائقی کی وجہ سے تمام بزرگوں سے بات کرنے کا عادی تھا۔ حتیٰ کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی بے دھڑک جو جی میں آتا تھا کہہ دیتا تھا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کبھی ناگواری کا اظہار نہیں ہوا تھا۔

حضرت مدنی ﷫ کے اکثر ہم عصر بزرگ فرماتے کہ ''حضرت مدنی ﷫ سے ڈر لگتا ہے''۔ بارہا ایسا ہوا کہ مولانا محمد الیاس ﷫ کسی خاص مقصد اور بات کے لئے دیوبند گئے، وہاں حضرت مدنی ﷫ سے بے تکلف ملاقات ہوئی اور ہنس ہنس کر باتیں ہوئیں۔ مگر مقصد کی بات زبان پر نہ لا سکے اور واپسی کے بعد فرمایا حضرت مدنی ﷫ سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔

اخلاق حمیدہ:

ہندوستان کے مشہور کیمونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف حضرت مدنی ﷫ کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 1946 میں کیمونسٹ پارٹی کو مسلمانوں کے تاریخی پس منظر پر سوچنا پڑا اور مجھے اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں رپورٹ پیش کروں۔ میں اس مواد کی فراہمی کے لئے دیوبند حاضر

ہوا۔ خلوت میں مطالعہ کتب کا بھی موقع ملا۔ مولانا کے یہاں تقریباً سبھی لوگ قیام اللیل کے عادی تھے۔ ایک دن تو میں رات کو بمشکل ایک گھنٹہ سویا تو فجر کے وقت تکبیر بالجہر سے اٹھ بیٹھا۔ دوسرے دن بھی یہی کیفیت ہوئی تو حضرت سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت تو درست ہوتے ہو میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو جائے گا۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور علیحدہ کمرہ میں بندوبست کردادیا۔ دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی شام تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ گھومنے پھرنے کی وجہ سے کچھ تھکن زیادہ تھی۔ چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا۔ دروازہ کھلا رہتا تھا۔ مجھے کچھ غنودگی سی ہوئی کہ میں نے ایک ہاتھ ٹخنے پر محسوس کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں دبانا شروع کر دیئے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بنفس نفیس اس گنہگار کے پاؤں دبانے میں مصروف ہیں۔ میں نے جلدی سے پاؤں سکیڑ لئے اور بڑے ادب و لجاجت سے حضرت کو روکا۔ مولانا نے حسرت سے فرمایا، آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں؟ کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کرسکوں۔ مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو گزری میرے لئے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ ان کے اخلاق اور فراخدلی کا ادنیٰ سا نمونہ تھا۔

قناعت:

حضرت مولانا کو برٹش حکومت نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے لئے پانچ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پر بلایا مگر آپ نے پیشکش کو قبول نہ کیا۔ حکومت مصر نے جامع الازہر میں شیخ الحدیث کی مسند کے لئے ایک ہزار روپے ماہوار مشاہرہ، مکان، موٹر اور سال میں ایک دفعہ ہندوستان آنے جانے کا کرایہ دینے کی پیش کش

کی مگر مولانا نے وہاں تشریف لے جانے سے صاف انکار فرما دیا اور دیوبند کی معمولی سی تنخواہ پر قناعت کر لی۔

استغنا:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و تقوی کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ دارالعلوم کی مدت سے خدمت کر رہے تھے۔ پانچ سال کا طویل عرصہ دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں گزار دیا۔ مگر ان دنوں کے علاوہ جن میں پڑھاتے بقیہ ایام کی تنخواہ نہ لیتے تھے۔ مرض الوفات میں ایک مہینہ کی رخصت بیماری وغیرہ اور اس کے علاوہ کچھ چھٹیاں جو قانوناً آپ کا حق تھا نہیں لی تھیں۔ وہ بیماری میں شمار ہوئیں۔ ان سب دنوں کی تنخواہ جو ایک ہزار روپے سے کچھ زیادہ ہوتی تھی مدرسہ نے بھیجی تو یہ فرما کر واپس کر دی کہ جب میں نے پڑھایا نہیں تو تنخواہ کیسی؟

والدین کی اطاعت:

''نقش حیات'' جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خود نوشت سوانح ہے، اس سے بڑی مختصر تحریر میں اور بڑے بے تکلف انداز میں اپنی زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بسا اوقات میں مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھا ہوا کتاب پڑھا رہا ہوتا تھا اور آدمی آ کر کہتا کہ والد صاحب بلا رہے ہیں۔ طلبہ کو رخصت کر کے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ اینٹ مٹی اٹھانے والا مزدور نہیں آیا تم اس کام کو انجام دو۔ بحالت مجبوری تمام دن یہ کام کرنا پڑتا اور تمام اسباق کو معطل کرنا پڑتا۔ بسا اوقات ایک ایک دو دو ہفتہ اسباق کو معطل کر کے تمام اوقات اسی تعمیری خدمات میں صرف کرنے پڑتے''۔

مخلوق خدا کی خدمت:

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن پر شرف زیارت کے لئے گئے۔ حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف جو کہ ضلع جھنگ سے تعلق رکھتے تھے، دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کو فراغت کا تقاضہ ہوا۔ وہ رفع حاجت کے لئے بیت الخلاء میں گئے اور الٹے پاؤں بادل نخواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مدنی سمجھ گئے۔ فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر لیٹرین میں گئے، اچھی طرح صاف کیا اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے لیٹرین بالکل صاف ہے۔ وہ بڑا متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو مجھ سے باہر ہے۔

اس واقعہ کو دیکھ کر اسی ڈبہ میں موجود خواجہ نظام الدین تونسوی نے ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ مولانا حسین احمد مدنی ہیں۔ خواجہ صاحب نے اس وقت بے اختیار ہو کر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں کو چھو لیا اور پاؤں سے لپٹ کر رونے لگے۔ حضرت نے جلدی سے پاؤں چھڑا لئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ تو خواجہ صاحب نے کہا سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف بہت فتوے دیئے اور برا بھلا کہا۔ اگر آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔

حضرت نے فرمایا، میرے بھائی! میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ہاں ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ صبح جلدی اٹھ کر چلا گیا۔ جب اپنی بھولی ہوئی تلوار واپس لینے آیا

تو دیکھا کہ حضور ﷺ بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے بستر کو دھو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

ادلے کا بدلہ:

مولانا عبداللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ لاہور کے دہلی مسلم ہوٹل میں بہت مدت تک خطیب رہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قیام کیا۔ ایک روز جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے گیا تو میں نے آپ کا جوتا اٹھا لیا۔ آپ اس وقت تو خاموش رہے لیکن دوسرے وقت جب ہم نماز پڑھنے کے لئے گئے تو آپ نے میرا جوتا اٹھا کر سر پر رکھ لیا۔ میں پیچھے بھاگا۔ مولانا نے تیز چلنا شروع کر دیا میں نے کوشش کی کہ جوتا لے لوں مگر نہیں لینے دیا۔ میں نے کہا کہ خدا کے لئے سر پر تو نہ رکھئے۔ فرمایا کہ عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے۔ میں نے عہد کر لیا۔ تب جوتا سر پر سے اتار کر نیچے رکھا۔

گرفتاری:

1936ء میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے آپ کو کہا گیا کہ دہلی جا کر سول نافرمانی کرنا اور گرفتار ہونا آپ پر لازم ہے۔ آپ کی طبیعت سخت علیل تھی۔ ٹانگوں میں زخم تھے اور چلنا پھرنا دشوار تھا۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے مقصد روانگی کا علم ہوا تو کہلا بھیجا کہ اس حالت میں سفر نہ کریں اور تاریخ بدل دیجئے۔ مگر حضرت نے گوارا نہ فرمایا اور اسی حالت میں روانہ ہو گئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکا تھا۔ دیوبند اسٹیشن پر کثرت ہجوم کے باعث پولیس کو جرأت نہ ہوئی۔ دیوبند سے اگلے اسٹیشن پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ

نے وہ نوٹس پیش کیا۔ آپ نے فرمایا، میں انگریزی نہیں جانتا۔ اس نے کہا، قلم دیجئے تا کہ اردو میں ترجمہ کر دوں۔ حضرت نے فرمایا کیا خوب، اپنے ذبح کرنے کے لئے اپنا ہتھیار تمہیں دے دوں۔ وہ خاموش ہو گیا اور گاڑی چل پڑی۔ وہ افسر مظفر نگر اسٹیشن پر ترجمہ کر کے لایا۔ اس میں لکھا تھا کہ حاکم سہارنپور کی طرف سے آپ کو نوٹس جاری کیا جاتا ہے کہ آپ آگے نہ جائیں ورنہ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں۔ فرمایا کہ اب میں سہارنپور کی حدود سے آگے ہوں لہٰذا یہ نوٹس قابل قبول نہیں۔ افسران یہ جواب سن کر حیران رہ گئے۔ بعد میں مجسٹریٹ نے جو ساتھ ہی تھا کہا کہ آپ کو اپنے خصوصی اختیارات کی بنا پر نوٹس دوں گا۔ چنانچہ اس نے اسی اسٹیشن پر دوسرا تحریری نوٹس پیش کیا اور گرفتاری عمل میں آئی۔ حضرت کی یہ حالت تھی کہ گاڑی سے اتر کر دو قدم بھی چلنا دشوار تھا۔ اسی جگہ تھوڑی دیر کے لئے کرسی رکھ دی گئی اور اس پر حضرت بیٹھ گئے۔ ان تمام تکالیف کے باوجود فریضہ جہاد آزادی کو چھوڑنا یا ملتوی کرنا گوارا نہیں فرمایا۔

کھانے میں برکت:

حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے مشکوٰۃ شریف کے درس کے دوران کتاب المعجزات کے ضمن میں حضرت کا ایک واقعہ قسم کھا کر سنایا۔ اس موقع پر سو سے زیادہ طالب علم موجود تھے۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک روز حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کی۔ اتفاق سے اس وقت مہمان تھوڑے تھے۔ حضرت شیخ نے دعوت قبول فرمالی۔ جب کھانے کا وقت آیا تو مہمان زیادہ آگئے۔ حضرت شیخ تمام مہمانوں کو لے کر تشریف لے آئے۔ مہمانوں کی کثرت دیکھ کر مجھے پریشانی ہوئی۔ حضرت نے محسوس فرما لیا اور مجھے علیحدہ لے گئے۔ میں نے عرض کیا کہ تھوڑی دیر ٹھہریں میں اور انتظام کر لوں۔ حضرت نے

فرمایا، یہی کھانا کافی ہو جائے گا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق تمام روٹی اور ترکاری آپ کے پاس لاکر رکھ دی گئی اور روٹیوں پر کپڑا ڈھک دیا گیا۔ اب حضرت شیخ نے اپنے ہاتھ سے نکال کر کھانا دینا شروع کیا۔ وہی کھانا کافی ہو گیا۔ گھر والوں نے بھی کھالیا اور کچھ بچ بھی گیا۔

ایثار و قربانی:

شیخ العرب والعجم کا معمول تھا کہ عشا کے بعد سے بارہ بجے تک حدیث کی سب سے بڑی مہتم بالشان کتاب بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ مولانا فیض اللہ لالٹین اٹھانے پر مامور تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک رات آپ نصف شب کو سردی کے موسم میں مہمان خانہ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ایک خستہ حال مہمان بوسیدہ کپڑے میں ملبوس چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ان سے پوچھیں کہ کیوں بیٹھے ہیں؟ اور پھر خود ہی جا کر پوچھا تو اس مہمان نے جواب دیا کہ کسی صاحب نے مجھے دستر خوان سے اٹھا دیا ہے اور میرے پاس لحاف بھی نہیں ہے۔ حضرت پر اس کا بڑا اثر ہوا اور بار بار ان دستر خوان سے اٹھانے والے کا نام پوچھا مگر پتہ نہ چلا فوراً اندر تشریف لے گئے اور کھانا لے کر خود باہر تشریف لائے۔ جب تک اس مہمان نے کھانا نہیں کھایا آپ باہر ہی بیٹھے رہے۔ سارے مہمان اور اہل خانہ سو چکے تھے۔ حضرت اندر گئے اور اپنا بستر اٹھا لائے۔ اس کو بچھا دیا اور خود ساری رات عبا اوڑھ کر گزار دی۔ مولانا فیض اللہ کا بیان ہے کہ میں نے بہت اصرار کیا اور چاہا کہ اپنا بستر لے آؤں اور حضرت آرام فرمائیں مگر اس پیکر سنت نے اس کو گوارا نہ کیا۔

استقامت:

ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ سیاسی اختلافات کی وجہ سے علما میں ترک تعلق نہ

ہونا چاہئے۔ایک دوسری مجلس میں فرمایا کہ جب میں کراچی جیل سے 1923ء میں رہا ہوکر آیا تھا تو اس وقت بنگال کونسل کے ایک ممبر نے کہا کہ چالیس ہزار روپیہ نقد اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پانچ سو روپیہ ماہانہ کی پروفیسری آپ کے لئے حاضر ہے، اس کو منظور فرمالیں۔میں نے کہا کام کیا کرنا ہوگا؟ ممبر صاحب نے فرمایا کچھ نہیں، آپ صرف تحریکات میں خاموش رہیں۔میں نے کہا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جس راستہ پر لگا گئے ہیں میں اس سے نہیں ہٹ سکتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فرزند ارجمند اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت کے بھتیجے ہیں۔ آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔اول تا آخر تمام تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی۔۱۳۳۲ھ میں دورہ حدیث کرکے سند فراغت حاصل کی۔آپ کے اساتذہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری، آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحییٰؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔

فراغت تعلیم کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں ہی مدرس مقرر ہوئے اور بہت جلد اپنی اعلیٰ صلاحیت کی وجہ سے صدر مدرس مقرر ہوئے۔حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو شیخ الحدیث کا خطاب عطا فرمایا۔آپ نے روحانی اور اصلاحی تعلق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ سے قائم فرمایا اور علم ظاہر کے ساتھ ساتھ علم باطن میں بھی خوب فیض حاصل کیا اور خلافت سے نوازے گئے۔

حضرت سہارنپوری کے وفات بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ سے تعلق قائم کیا اور ان سے بھی خلافت حاصل کی۔ساری زندگی درس وتدریس اور تبلیغ و اصلاح میں بسر کی۔آپ ایک بڑے عالم باعمل، متبع سنت اور حق وصداقت کا پیکر تھے۔تواضع وانکساری میں اسلاف کی عظیم یادگار رہتے۔بڑے بڑے علماء آپ کے تلمیذ ومرید تھے۔آپ نے بہت سی شاہکار کتب تصنیف کیں جو علماء اور عوام میں بہت مقبول ہوئیں۔اپنی زندگیکے آخری دن آپ نے مدینہ منورہ میں گزارے۔ آپ نے 24 مئی 1962ء کو مدینہ منورہ میں ہی جان جان آفریں کے سپرد کی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے محبت:

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچپن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان دنوں والد محترم کا قیام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مستقل طور پر گنگوہ میں رہا کرتا تھا۔میری عمر ابھی ڈھائی سال کی تھی۔حضرت گولر کے درخت کے نیچے چار زانو بیٹھے ہوتے تھے۔میں حضرت کے پیروں پر کھڑا ہو کر حضرت سے خوب لپٹتا۔فرماتے ہیں کہ جب میں کچھ اور بڑا ہو گیا تو راستہ میں کھڑا ہو جاتا، جب حضرت سامنے سے گزرتے تو میں بڑی قرأت سے اور بلند آواز سے کہتا، السلام علیکم۔حضرت بھی از راہ محبت وشفقت اسی لہجے میں جواب مرحمت فرماتے۔حضرت شیخ مزید فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں کھیلنا، حضرت کے گھٹنوں پہ پاؤں رکھنا اور گردن میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہونا، حضرت کے ساتھ عیدین کے موقع پر پالکی میں بیٹھ کر عیدگاہ آنا جانا ہوتا تھا جس کے اٹھانے والے بڑے بڑے علما اور مشائخ ہوتے تھے۔اور بسا اوقات حضرت کے ساتھ کھانا کھانا اور حضرت کے پس خوردہ کا تن تنہا وارث بننا اب بھی آنکھوں کے سامنے

ہے۔

بچوں کی تربیت:

اس زمانے کے بزرگ بچوں کی اخلاقی تربیت اور ان کی ذہنی نشوونما کے لئے بعض خاص قسم کے طریقے اختیار کرتے تھے۔ مولانا یحییٰ صاحب کو خاص طور پر اس کا اہتمام تھا۔ شیخ الحدیث نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جب میری عمر 13 سال تھی، والد صاحب نے کاندھلہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔ میں خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتا تھا۔ وہاں جانے کے لئے دن گننے لگا اور عید کے چاند کی طرح اس کا انتظار کرنے لگا۔ چند دن کے بعد والد صاحب نے یہ ارادہ ملتوی فرما دیا۔ مجھے اس پر تعجب بھی ہوا اور ملال بھی۔ ایک روز فرمایا کہ تجھے کاندھلہ جانے کی بے حد خوشی تھی اور تجھ پر اس کا شوق اتنا غالب آگیا کہ میں نے اسی وجہ سے اس کو ملتوی کر دیا کیونکہ اس پر اتنا خوش ہونا اور اس کا اتنا شوق و ارمان رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔

زندگی بھر کی مصروفیت:

حضرت شیخ الحدیث کے والد محترم نے سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا لیکن شیخ کی سات برس کی عمر تک بسم اللہ بھی نہیں ہوئی۔ اس عمر تک تعلیم شروع نہ ہونے پر خاندان کے بزرگوں کو تعجب تھا۔ دادی صاحبہ جو کہ خود حافظہ قرآن تھیں انہوں نے اپنے لائق فرزند سے ایک دفعہ فرمایا ''یحییٰ! اولاد کی محبت میں اندھے نہیں ہوتے، تو نے تو سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا، یہ اتنا بڑا بیل پھر رہا ہے آخر اس سے جوتے گھسوائے گا یا کیا کرائے گا''؟ مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے والدہ صاحبہ کی اس بات کے جواب میں فرمایا ''جب تک کھیلتا ہے اس کو کھیل لینے دیجئے۔ جس دن یہ کولھو میں سر دے گا تو قبر میں جا کر ہی دم لے گا''۔

قرآن مجید کی تلاوت:

قرآن مجید کا حفظ کرنا اس خاندان کا خصوصی شعار اور تعلیم کا پہلا ضروری مرحلہ تھا۔ اسی کے مطابق حفظ کا سلسلہ شروع کرایا گیا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب کا تعلیم و تربیت کا نرالا ہی دستور تھا۔ وہ ایک صفحہ کا سبق دے دیتے اور فرماتے کہ اس کو سو مرتبہ پڑھ لو پھر دن بھر چھٹی ہے۔ فطرت انسانی اور تقاضائے عمر سے بڑے بڑے ہونہار بچے بھی مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ شیخ فرماتے کہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایک صفحہ سو مرتبہ پڑھنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ میں بہت جلدی آ کر کہہ دیتا کہ سو مرتبہ پڑھ لیا۔ والد صاحب اس پر زیادہ جرح قدح نہ فرماتے تھے۔ اگلے دن کا سبق یاد کرنے کے بعد آ کر کہتا کہ کل تو بس ایسے ہی پڑھا تھا، آج ٹھیک ٹھیک سو مرتبہ پڑھا ہے۔ فرماتے کہ آج کے سچ کی حقیقت تو کل معلوم ہوگی۔ سہارنپور آ جانے اور عربی شروع ہو جانے کے بعد بھی یہ حکم ہوتا تھا کہ ایک پارہ کو اتنی مرتبہ پڑھ لو۔ مغرب کے بعد ایک صاحب اس کو سنتے تھے، اس میں خوب غلطیاں نکلتی تھیں۔ اس پر سہارنپور کے مشہور وکیل مولوی عبداللہ جان صاحب نے جن کو اس خاندان سے بڑا گہرا تعلق تھا، مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ایک روز کہا کہ زکریا کو تو قرآن یاد نہیں۔ مولانا نے بڑے اطمینان سے فرمایا کہ ہاں اسے قرآن بالکل یاد نہیں۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا کہ کیا بات ہے؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ اسے عمر بھر کرنا ہی کیا ہے؟ قرآن ہی پڑھنا ہے یاد ہو جائے گا۔

اکابر سے محبت:

مولانا محمد یحییٰ صاحب کی تربیت کے نرالے انداز اور ان کی ذہانت اور سلامت فہم کے عجیب واقعات ہیں۔ ایک دفعہ جب شیخ کی فقہ کی تعلیم شروع ہوئی تو

اس افتتاح کے موقع پر مولانا نے شیخ کو بیس روپے انعام کے طور پر عطا فرمائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ان کا کیا کرو گے؟ شیخ نے جواب دیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اکابر اربعہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی، حضرت مولانا عبدالقادر رائیپوری، حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پانچ پانچ روپے کی مٹھائی پیش کروں۔ بڑی مسرت کے ساتھ اس کی تصویب فرمائی۔ پھر دریافت فرمایا کہ کون سی مٹھائی؟ شیخ نے متفرق مٹھائیوں کے نام لئے۔ فرمایا لا حول ولا قوۃ ان میں سے کون ایسا ہے جو مٹھائی کھائے گا؟ تمہاری خاطر ایک آدھ ٹکڑا چکھ لیں گے اور باقی سب دوسروں کی نذر ہو جائے گی۔ ایسا کرو کہ پانچ روپے کی مصری خرید کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دو ایک مہینہ تک تمہاری ہی مصری کی چائے نوش فرمائیں گے۔ چنانچہ تعمیل کی گئی۔ بقیہ اکابر ثلاثہ کی خدمت میں پانچ پانچ روپے نقد مختلف اوقات میں پیش کیے گئے۔ ان سب حضرات نے بڑی مسرت سے قبول فرما کر دعائیں دیں۔

تعلیمی انہماک:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طالب علمی کے دنوں میں ایک دفعہ میرا اپنا جوتا کسی نے اٹھالیا۔ تقریباً چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتا خریدنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

مدرسہ ہی کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اور مدرسہ کے بیت الخلا میں ایک دو جوتے جو کسی کے پرانے ہو جاتے وہاں رکھ دیئے جاتے تھے جو ابھی تک دستور چلا آ رہا ہے۔ بیت الخلاء کے لئے وہی پرانے جوتے استعمال کر لیتا تھا مجھے کسی بھی اور ضرورت کے واسطے مدرسہ کے دروازہ سے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا اور نہ ہی جوتے کی

ضرورت ہوئی۔

دنیا سے بے رغبتی:

حضرت شیخ کو چاٹگام یا ڈھاکہ کے مدرسہ عالیہ سے شیخ الحدیث کے منصب کی پیش کش ہوئی۔ جس کی بارہ سو روپے تنخواہ تھی اور صرف ترمذی شریف اور بخاری شریف پڑھانا تھی۔ پہلے خط آیا، پھر ارجنٹ تار آیا کہ خط کے جواب کا سخت انتظار ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ تار کے جواب میں تو میں نے صرف یہ لکھ دیا کہ معذوری ہے۔ خط میں مفصل لکھا کہ جن دوستوں نے میرا نام آپ کو دیا ہے، انہوں نے محض حسن ظن سے کام لے کر غلط روایات پہنچائی ہیں۔ یہ ناکارہ اس کا اہل نہیں ہے۔

ایثار کی انتہا:

حضرت کے ایثار کا ایک حیرت انگیز واقعہ جو اس زمانہ کے لحاظ سے ناقابل قیاس اور بہت سے لوگوں کے لئے ناقابل یقین ہوگا وہ یہ ہے کہ ایک ایسے بزرگ عالم کے انتقال پر کہ جن کے ساتھ مل کر شیخ نے بہت عرصہ کام کیا تھا، اور جن سے کچھ تلمذ کا رشتہ بھی تھا، جب ان کے ترکہ کی تقسیم کے وقت اور قرض کے تصفیہ کے لئے ان کی ورثاء اور اہل تعلق جمع ہوئے تو ورثا نے قرض کی ادائگی کا ذمہ لینے سے جو غالباً پانچ ہزار کی مقدار میں تھا، صاف معذرت کر دی۔ شیخ نے بے تکلف اس کو اپنے ذمہ لے لیا اور ادا فرما دیا۔

مجلس شعر و سخن:

حضرت کا شعری و ادبی ذوق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھا۔ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آغاز جوانی میں ایک دوسرے قصبے میں شب کو جانا ہوا۔ وہاں کچھ بے تکلف دوست جمع تھے۔ وہاں عشا کے بعد بیت بازی شروع ہوئی جو

اس زمانہ کے مہذب، زندہ دل نوجوانوں اور قصبات کے شرفاء کا محبوب و مفید مشغلہ تھا۔ اس میں ایسا انہماک ہوا کہ کچھ پتہ نہ چلا کہ کتنی رات چلی گئی۔ اچانک اذان کی آواز آئی تو خیال ہوا کہ کسی نے بے وقت اذان کہہ دی ہے ابھی تو بیٹھے ہی تھے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو گئی ہے اور یہ فجر کی ہی اذان تھی۔

تصنیف وتالیف کا ذوق:

درس و تدریس کے انہماک، ذکر و نوافل کی یکسوئی، مہمانوں کی کثرت اور واردین وصادرین کے ہجوم کے باوجود شیخ کی طبیعت میں شروع ہی سے تصنیفی ذوق اور تحریری کام میں انہماک ودیعت تھا۔ اور جب پہلی دفعہ مشکوٰۃ پڑھا رہے تھے تو 22 ربیع الاول کی شب میں 12 بجے حجۃ الوداع پر لکھنا شروع کیا اور ایک دن ڈیڑھ رات میں شنبہ کی صبح کو پورا کر لیا۔

مال سے قلبی انقطاع:

حضرت شیخ فرماتے ہیں، میری عمر تین چار سال کی تھی، ابھی اچھی طرح سے چلنا بھی نہیں سیکھا تھا، سارا منظر خوب یاد ہے اور ایسی باتیں اوقع فی الذہن ہوا کرتی ہیں۔ میری والدہ نور اللہ مرقدھا کو مجھ سے عشق تھا۔ ماؤں کو بیٹوں سے محبت تو ہوا ہی کرتی ہے مگر جتنی محبت ان کو مجھ سے تھی اللہ ان کو بہت بلند درجے عطا فرمائے۔ اس وقت انہوں نے میرے لئے ایک بہت ہی خوبصورت چھوٹا سا تکیہ سیا تھا۔ وہ ایک بالشت چوڑا اور ڈیڑھ بالشت لمبا تھا اس کی ہیئت بھی کبھی نہیں بھولوں گا۔ اس کے اوپر گوٹہ ٹھپہ، گوکھرو، کرن بنت وغیرہ سبھی کچھ جڑا ہوا تھا۔ نیچے لال قند کا غلاف اور اس کے اوپر سفید جالی کا جھالر بہت ہی خوشنما لگتا تھا۔ وہ مجھے اتنا محبوب تھا کہ بجائے سر کے نیچے رکھنے کے اسے میں اپنے سینے کے اوپر رکھتا تھا۔ کبھی اس کو پیار کرتا، کبھی

سینے سے چمٹایا کرتا۔ والد صاحب نے آواز دے کر فرمایا کہ زکریا! مجھے تکیہ دے دو۔ مجھے پدری محبت نے جوش مارا اور اپنے نزدیک انتہائی ایثار اور گویا دل پیش کر دینے کی نیت سے میں نے کہا "میں اپنا تکیہ لے آؤں"؟ فرمایا کہ ادھر آؤ۔ میں انتہائی ذوق وشوق میں کہ ابا جان اس نیاز مندی اور سعادت مندی پر بہت خوش ہوں گے، دوڑا ہوا گیا۔ انہوں نے بائیں ہاتھ سے میرے دونوں ہاتھ پکڑے اور داہنے ہاتھ سے منہ پر ایسا زور سے تھپڑ رسید کیا کہ آج تک تو اس کی لذت نہیں بھولا۔ اور مرتے وقت تک امید نہیں کہ بھولوں گا اور یوں فرمایا کہ "ابھی سے باپ کے مال پر یوں کہتا ہے کہ اپنا لاؤں، کچھ کما کر ہی کہنا کہ اپنا لاؤں"۔ اللہ کا ہی فضل وکرم ہے اور محض اس کا ہی لطف واحسان ہے کہ اس کے بعد جب بھی یہ واقعہ یاد آجاتا ہے تو دل میں یہ مضمون پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اپنا تو اس دنیا میں کوئی مال نہیں ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ دن بدن یہ مضمون پختہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

تبلیغی احباب سے محبت:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعتوں اور دوسرے مہمانوں کی مدارات میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ ہر ایک کی چائے اور طعام کا خیال رکھنا اور ہر ایک سے نہایت تپاک سے ملنا آپ کا خصوصی جوہر تھا۔ ایک مرتبہ ایک تبلیغی بھائی نے مصافحہ کیا اور دعا کے لئے عرض کیا تو فرمایا، بھائی! آپ لوگ بڑا کام کر رہے ہیں، دین کے لئے ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں، میرا کیا ہے میں یہاں ایک ہی جگہ بیٹھا رہتا ہوں، آپ لوگ میرے لئے دعا کریں۔

ایک مرتبہ ایک تبلیغی بھائی نے محبت سے دو روپے پیش کئے آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا، ہرگز نہیں۔ آپ حضرات اللہ کی راہ میں نکلتے ہیں مجھے ہی آپ حضرات کی مدد کرنا چاہئے نہ یہ کہ آپ میری مدد کریں۔ میں آپ حضرات کی کچھ بھی خدمت

نہیں کر پاتا۔

تقویٰ کی مثال:

حضرت شیخ نے خود اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ میرے والد صاحب قدس سرہ کے زمانے میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا۔ مدرسہ کے قریب کسی طباخ کی دوکان تھی، گھر والوں کے نہ ہونے کے زمانے میں جامع مسجد کے قریب کی ایک طباخ کی دکان سے کھانا آیا کرتا تھا۔ سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا کھانا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کی مسجد کے حمام کے سامنے رکھوا دیتے تھے۔ اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا تو یہ فرما کر دو تین روپے ہر ماہ چندہ میں داخل فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے۔

تصوف وسلوک کی حقیقت:

ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھے۔ مولوی نصیر نے اوپر جا کر کہا کہ رئیس احرار آئے ہیں۔ رائے پور جا رہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جلدی بلا دے۔ مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا، رائے پور جا رہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جا رہا ہوں۔ پرسوں صبح ہی واپسی ہے اس کا جواب واپسی میں لوں گا۔ سوال یہ ہے کہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا کہ "صرف تصحیح نیت، اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کی ابتدا" انما الاعمال بالنیات سے ہوتی ہے اور انتہاء ان تعبد اللہ کانک تراہ ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں اور اسی

کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ

متی ما تلق من تھوی دع الدنیا و اھملھا

حضرت شیخ نے کہا مولوی صاحب! سارے پاپڑ اسی لئے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اور مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہ کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے اس کو کہیں بھی اور جانے کی ضرورت نہیں۔

مرشد کی تنبیہ:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ پاک کے قیام میں جب یہ ناکارہ بذل لکھا کرتا تھا اور صبح کی چائے بعد سے مسلسل چھ گھنٹے حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی تو ایک مرتبہ یہ نابکار، ناپاک، سیہ کار بذل لکھتے ہوئے نہ معلوم کن کن خرافات اور واہی تباہی خیالات میں مستغرق تھا۔ میرے حضرت قدس سرہ نے عبارت لکھواتے ہوئے نہایت تند و تیز لہجے میں ارشاد فرمایا "من بتو مشغول وتو با عمرو زید"۔ میں حضرت کے اس ارشاد پر پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا کرتہ اور پاجامہ تک بھیگ گیا۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا بڑا قلق رہتا تھا کہ تھانہ بھون میں رہتے ہوئے بھی حضرت کی خدمت میں حاضری کا وقت نہیں ملتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ بہت قلق کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ لوگ بہت دور دور سے حاضر ہوتے ہیں لیکن یہ ناکارہ یہاں رہ کر بھی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا جواب مرحمت فرمایا کہ میری مسرت کے لئے مرنے تک کافی ہے۔ حضرت نے فرمایا، مولوی صاحب! اس کا آپ بالکل فکر مت کریں۔ آپ اگرچہ میری مجلس میں نہیں ہوتے مگر میں ظہر سے عصر تک آپ ہی کی مجلس میں رہتا ہوں۔ میں بار بار آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور رشک کرتا ہوں کہ کام تو یوں ہوتا ہے۔ میں آپ کو ظہر سے عصر تک اوراق سے سر اٹھاتے نہیں دیکھتا۔

مشکوۃ شریف کا آغاز:

حضرت شیخ اپنے آغاز مشکوۃ کا قصہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ 7 محرم الحرام 1332ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوۃ شریف شروع ہوئی۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانے میں نماز آپ ہی پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد غسل فرمایا اور دو رکعت نماز نفل پڑھی۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر مشکوۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا اور اس کے بعد قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر پندرہ بیس منٹ تک بہت دعائیں مانگیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیا کیا دعائیں مانگیں۔ لیکن میں ان کی معیت میں اس وقت صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ! حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر سے شروع ہوا ہے اس کے ساتھ مجھے مرنے تک وابستہ رکھئے۔ اللہ جل شانہ نے میری ناپاکیوں، گندگیوں اور سیئات کے باوجود ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ 1332ھ سے 1390ھ تک اللہ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو۔

اکابر کی راحت کا خیال:

ایک مرتبہ سہارنپور میں تبلیغی جماعت کا اجتماع ہو رہا تھا تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رائے پوری قدس سرہ سے فرمایا کہ حضرت جی! جون کا مہینہ ہے گرمی کی

شدت بھی ہے اور ہمارے ہاں راحت کی کوئی جگہ نہیں، اور یہ تبلیغ والے رات کو جلسے میں تھوڑی دیر کے لئے (برکت کے واسطے) شرکت کی خواہش اور درخواست مجھ سے کرائیں گے۔ پرسوں جلسہ ختم ہو جائے گا۔ ظہر کے وقت میں اور عزیز یوسف رائے پور حاضر ہوں گے۔ دو دن قیام کریں گے۔ دو دن تک رائے پور سے ہر آنے والے سے سنتا رہا کہ حضرت اقدس نے خوب دعائیں دیں اور ہر آنے والے سے فرماتے کہ میرا تو (سہارنپور میں) دو دن قیام کا ارادہ تھا مگر شیخ نہ مانا۔ محبت اسی کا نام ہے۔ میری راحت کو اپنی خواہش پر غالب کر کے رکھا اللہ تعالیٰ بہت بلند درجے عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی ایسی ہی راحت دے۔

اکابر کا تقویٰ:

مظاہر العلوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا تو اکابر مدرسین و ملازمین میں سے کسی کو جلسہ کا کھانا کھاتے یا چائے پیتے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ جملہ مدرسین حضرات وقت ملنے پر اپنا کھانا کھاتے تھے۔ البتہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے۔ لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے۔ مولانا عنایت الٰہی مہتمم مدرسہ شب و روز مدرسہ کے اندر رہتے تھے آپ ظہر کے وقت اور رات کو بارہ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا از ر معمولی کھانا تنہا کھا۔ تے تھے۔

مولانا ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اس زمانے میں مطبخ کے منتظم ہوتے تھے لیکن سالن چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے، خود نہیں چکھتے تھے۔ جب وقت ملتا اپنے گھر جا کر کھانا کھاتے تھے۔ ان سب احتیاطوں کے باوجود حضرت سہارنپوری قدس سرہ جب مستقل قیام کے ارادہ سے حجاز تشریف لے گئے تو

اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرما کر مدرسہ کے لئے وقف کر گئے تھے کہ نہ معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمہ رہ گئے ہوں۔

عجز وانکساری:

شوال 1333ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز مقدس میں طویل قیام کے ارادے سے جارہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہورہے تھے تو حضرت شیخ الحدیث زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بیعت ہونے کا ارادہ کرلیا آپ نے اپنے مربی و آقا حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ مجھے بیعت فرمالیں۔ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہو جاؤں تو آجانا۔ اس کے بعد بیعت ہو گئے۔

حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی آپ کو اجازت مرحمت فرمائی اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر کلاں حضرت مولانا سید احمد فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تاکہ وہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں۔ جب وہ عمامہ سر پر باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ سے چیخیں نکل گئیں۔ حضرت پیر و مرشد سہارنپوری بھی آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر بھی موجود تھے اور ان کو اس پورے واقعہ کی اطلاع بھی تھی۔ ہندوستان میں تشہیر ہو جانے کے خوف سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رائے پوری کے پاؤں پکڑے اور ان سے اس بات کا عہد لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر اس اجازت وخلافت کی اطلاع نہ کریں مگر حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کے اخفاء پر تیار نہ ہوسکے اور آپ کے ذریعے اس کی تشہیر ہوگئی۔ پھر بھی حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے عرصہ تک بیعت لینے سے پہلو تہی فرماتے رہے۔

فقر وفاقہ:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے اکابر واسلاف نے کیسے افلاس وفقر اور صبر وشکر کے ساتھ زندگی گزاری۔ اس سلسلہ میں اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے چچا جان نور اللہ نے مجھے ایک مرتبہ کارڈ لکھا کہ کئی دن سے تم کو ایک ضروری خط لکھنے کا تقاضا تھا مگر میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا۔ قرض لینے کو دل نہ چاہا۔ آج اللہ نے پیسے عطا فرمائے ہیں تو تم کو خط لکھ رہا ہوں۔

درس حدیث کی پابندی:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ بیحت انہماک ودلسوزی اور نشاط وسرگرمی کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے ایک شاگرد رشید فرماتے ہیں ایک بار موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ تمام سڑکوں پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا۔ تھا میں سوچ رہا تھا کہ بارش کا زور ختم ہو تو سبق میں حاضر ہوں۔ حضرت مولانا اسعد اللہ اس وقت دفتر نظامت میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حضرت شیخ الحدیث آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس طوفانی بارش میں تو بظاہر مشکل محسوس ہوتا ہے۔ باہر جا کر معلوم کرلو۔ چنانچہ میں نے مدرسہ کے دروازے پر آکر سائبان میں بیٹھے ہوئے پھل فروشوں سے معلوم کیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے جب کہ حضرت کے مکان سے دارالحدیث کا فاصلہ زیادہ ہے۔ سڑک پر پانی بہہ رہا تھا۔ میں بھی دارالحدیث میں حاضر ہوا۔ وہاں بجلی غائب تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا۔ میں چپکے سے بیٹھ گیا کہ مبادا حضرت شیخ کی نظر پڑ

جائے مگر آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا، جانتے ہو، کیسے آیا ہوں؟ اپنے مکان سے روانہ ہوا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے میں چھتری تھی۔ جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا نصف راستے تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا اس نے باصرار مجھے رکشہ پر سوار کر لیا اور یہاں پہنچانے کے بعد میرے پیروں اور پاجامہ کے نچلے حصہ کو دھویا یہ ناکارہ سن کر پانی پانی ہو گیا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت 5 ربیع الثانی 1280ھ کو ہوئی خاندانی اعتبار سے آپ فاروقی النسل شیخ ہیں اور ایک بہت بڑے رئیس شیخ عبدالحق صاحب تھانوی کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی پرورش بہت ناز و نعمت میں ہوئی اور قدرت نے آپ کو عجیب مزاج سے نوازا تھا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحب سے تھانہ بھون رہ کر پڑھیں اور 1295ھ میں آپ حصول تعلیم کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور 1301ھ میں فارغ التحصیل ہوئے آپ کے مربی اور شفیق اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا سید احمد صاحبؒ وغیرہ شامل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ 1301ھ میں کانپور تشریف لے گئے اور مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کیا۔ چودہ سال تک وہاں درس و تدریس، افتاء اور واعظ و تبلیغ کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 1315ھ میں آپ کانپور سے تھانہ بھون واپس تشریف لائے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی

خانقاہ کو آباد کیا اور ایک مدرسہ اشرفیہ قائم کیا جہاں آخر دم تک دینی علمی اور روحانی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد آپ دل میں تزکیہ باطن کی تڑپ پیدا ہوئی۔ آپ ابتداء میں حضرت گنگوہی سے بیعت ہونا چاہتے تھے مگر جب آپ کے والد ماجد حج پر تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے اور مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے خدام میں داخل ہو گئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور ان کے تلقین کردہ ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے۔ ان کے ذوق وشوق اور مزاج کو دیکھتے ہوئے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے بس میاں اشرف علی پورے پورے میرے طریقہ پر ہے۔ اور جب حضرت حکیم الامت کی کوئی تحریر دیکھنے یا تقریر سننے کا اتفاق ہوتا تو خوش ہو کر فرماتے جزاکم اللہ تم نے تو میرے سینے کی شرح کر دی۔

یوں تو چشم فلک نے بڑی بڑی عالم فاضل ہستیاں، بڑے بڑے عابد اور زاہد انسان اور بڑے بڑے متقی وتہجد گزار بندے اس خطہ ارضی میں دیکھے ہوں گے مگر شریعت وطریقت کا ایسا حسین امتزاج شائد ہی کسی نے دیکھا ہو جیسے کہ آپ تھے۔ کوئی صرف عالم ہوتا ہے اور طریقت سے کورا، کوئی محض صوفی ہوتا ہے اور علوم شرعیہ سے نا آشنا۔ حضرت حکیم الامت ایک ہی وقت میں صوفی بھی تھے، عالم بے بدل بھی، رومی عصر بھی تھے اور رازی وقت بھی۔ آپ نے جس طرح شریعت ظاہرہ کو جہالت وضلالت کی تاریکیوں سے نکالنے کا کام کیا اسی طرح طریقت باطنہ کو بھی افراط وتفریط کی بھول بھلیوں سے نجات دلائی۔ دراصل حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں طریقت کا خلاصہ یہی تھا کہ انسان بنو اور آدمیت سیکھو، چنانچہ آپ فرماتے تھے بھائی میں اپنی محفل کو بزرگوں کی محفل نہیں بنانا چاہتا، آدمیوں کی محفل بنانا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دورِ حاضر کے مجدد کے منصب پر فائز فرمایا تھا اس لئے حضرت تھانوی نے مسلمانوں کے ہر شعبہ زندگی میں بڑھتے ہوئے انحطاط کو دیکھ کر سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اپنے مواعظ حسنہ ملفوظات اور عام مجالس کے ذریعے لوگوں کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کیا وہاں آپنے اپنی عظیم تصنیفات کے ذریعے عوام وخواص کی رہبری فرمائی اوران کو صحیح دین سے آشنا کیا۔ نشرواشاعت کے اس دور میں حضرت تھانوی کا یہ ایک عظیم اورامتیازی کارنامہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار سے زائد تصانیف آپ کے قلم سے رقم ہوئیں۔ ہر علم وفن پر تصانیف اس قدر تالیف فرمائیں کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ متقدمین ومتاخرین میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

آپ نہایت لطیف مزاج اور اصول وضوابط کے پابند تھے۔ مزاج کے اعتبار سے آپ کو مرزا مظہر جان جاناں ثانی کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ مترتب المزاج اور اصول وضوابط کے پابند نہ ہوتے تو اصلاح مسلمین کے اتنے عظیم کارنامے اور ہزاروں تصنیف وتالیف کے کام کو ہرگز پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکتے۔ بلا شبہ آپ حکیم الامت اور مجدد ملت تھے اور آپ نے ساری زندگی خدمت اسلام میں گزاری۔ آپ 16 رجب المرجب 1362 مطابق 20 جولائی 1943ء اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ کی عمر 83 سال تھی۔

تعلیم وتہذیب:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نفسیات کے بڑے ماہر تھے اور مدعیان تہذیب جدید سے منٹوں میں بدتہذیبی کا اقرار کرا لینے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی ناگواری، ناراضی اور سختی اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتی تھی بلکہ مناسب موقع پر تعلیم وتہذیب کے لئے ہوتی تھی اور آپ دعویٰ سے فرماتے تھے کہ جس کو اسلامی تہذیب کے مقابلہ

میں اپنی جدید تہذیب کا دعویٰ ہو کچھ دن میرے پاس رہ کر دیکھ لے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ خود ہی اس کے منہ سے کہلوا دوں گا کہ واقعی ہم بدتہذیب ہیں اور حقیقی تہذیب وہی ہے جس کی شریعت مقدسہ نے تعلیم فرمائی ہے۔

ایک دفعہ مظفر نگر کے سفر میں آپ کو ایک ایسے ہی رئیس سے پالا پڑا جو بڑے بے باک، زبان دراز یہاں تک کہ بڑے بڑے حکام سے بھی نہ ڈرنے والے اور ان کے سامنے نہ جھکنے والے تھے۔ چونکہ ان کی عادت ہی ایسی بن چکی تھی اس لئے انہوں نے کوتاہ اندیشی سے حضرت سے بھی بے ڈھنگی باتیں شروع کردیں جس سے آپ کو از حد تکلیف ہوئی۔ آپ نے انہیں مناسب الفاظ میں تنبیہ بھی فرمائی مگر ریاست کے نشہ میں وہ کچھ نہ سمجھ سکے۔ اور نوبت ناگواری تک پہنچ گئی۔ حضرت نے انہیں مجلس سے اٹھ جانے کے لئے فرمایا مگر وہ بیٹھے رہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ نہیں اٹھتے تو میں خود اٹھ جاتا ہوں۔ میں ایسے شخص کے ساتھ ہم نشینی بھی گوارا نہیں کرتا۔ بس آپ کا اتنا فرمانا تھا کہ ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ دست بستہ کہنے لگے، حضرت! آپ بیٹھے رہیں میں خود ہی چلا جاتا ہوا ور اٹھ کر چلے گئے۔ بعدازاں انہوں نے حافظ صغیر احمد سے کہا کہ میرا تو عمر بھر کے لئے علاج ہو گیا۔ میں علماء اور ملازموں کو بہت ذلیل سمجھا کرتا تھا اب ہر ایک مولوی اور ملا کا ادب ولحاظ کرتا ہوں۔ میں بڑے بڑے حکام سے بھی مرعوب نہیں ہوتا اس روز مولانا سے اتنا مرعوب ہوا کہ ڈانٹ پڑنے کے بعد ایک لفظ بھی میرے منہ سے نکل ہی نہ سکا۔

ایک نواب کا اقرار بدتہذیبی:

ایک خاندانی، مقتدر، ذی وجاہت، رئیس اور نواب نے مبلغ دو سو روپے مدرسہ دارالعلوم تھانہ بھون کی امداد کے لئے بھیجے جو کسی چندہ کے بغیر توکلا علی اللہ حضرت کی

سرپرستی اور نگرانی میں خاص خانقاہ کے اندر قائم تھا۔ اس عطیہ کے ساتھ انہوں نے تشریف آوری کی درخواست بھی بھیج دی۔ حضرت نے یہ لکھ کر روپے واپس کر دیئے کہ اگر اس روپیہ کے ساتھ بلانے کی درخواست نہ ہوتی تو مدرسہ کے لئے رد پے لے لئے جاتے۔ اب یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید مجھ کو متاثر کرنے کے لئے یہ رقم بھیجی گئی ہے۔ آپ کی یہ غرض نہ سہی لیکن میرے اوپر تو طبعی طور پر اس کا یہی اثر ہوگا کہ میں آزادی کے ساتھ اپنے آنے نہ آنے کے متعلق رائے قائم نہ کر سکوں گا۔ کیونکہ انکار کرتے ہوئے شرم آئے گی۔

نواب صاحب بڑے فہمیدہ اور جہاں دیدہ تھے۔ فوراً سمجھ گئے کہ عطیہ اور درخواست اکٹھی نہ بھیجنی تھی۔ چنانچہ فوراً معذرت نامہ لکھا کہ آپ کے تنبیہ کرنے سے اب یہ معلوم ہوا کہ واقعی مجھ سے یہ سخت بدتہذیبی ہوئی۔ میں اب اپنی درخواست آوری واپس لیتا ہوں اور روپیہ مکرر ارسال کرتا ہوں۔ براہ کرم مدرسہ کے لئے قبول فرمالیا جائے۔ حضرت نے بخوشی قبول فرماتے ہوئے نواب صاحب کو لکھا کہ ابھی تک آپ میری ملاقات کے مشتاق تھے اور اب آپ کی تہذیب اور شرافت نے خود مجھ کو آپ کی ملاقات کا مشتاق بنا دیا ہے۔ کچھ مدت کے بعد آپ اس شرط پر نواب صاحب کے ہاں تشریف لے گئے کہ کسی قسم کا کوئی ہدیہ پیش نہ کیا جائے۔

ایک رئیسہ کا علاج:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بحالت سفر چونکہ مختلف المزاج لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا اس لئے ہر ایک کے مرض کا علاج روحانی بھی مختلف ہوتا تھا۔ ایک دین دار رئیسہ نے دارالطلبہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تیار کرایا اور اس کے افتتاحی جلسہ کی تاریخ مقرر کر کے مہتمم صاحب کو لکھا کہ اپنے مدرسہ کے سرپرستوں اور دیگر اراکین کو

اطلاع کر دیں کہ اس تاریخ پر مدرسہ میں آ جائیں۔ مہتمم صاحب نے اس اطلاع کے ساتھ حضرت کو بھی شرکت کی دعوت دی تو آپ نے بایں وجہ شرکت فرمانے سے انکار کر دیا کہ ان کو اس حاکمانہ لہجہ میں بلانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس طرح حکم نامہ بھیج کر بلانا خلاف تہذیب ہے۔ یہ بھی کوئی بلانے کا طریقہ ہے، میں نہیں آؤں گا۔ کیا وہ کسی رئیس کو ایسے دعوت دے سکتی تھیں مہتمم صاحب نے مدرسہ کی مصالح کی بنا پر تاویلاً اصرار کیا کہ یہ ان رئیسہ کا فعل نہیں ان کے میر منشی کا ہے۔ اس پر حضرت نے لکھا پھر بھی شکایت ہے کہ اس معاملہ کو بالکل میر منشی پر کیوں چھوڑ دیا، خود مسودہ دیکھ کر منظوری دیتیں، جس طرح حکام کے دعوت ناموں میں اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان کے بلانے پر تو میں اب نہیں آؤں گا البتہ آپ اگر حکم دیں تو جوتیاں چٹخاتا ہوا سر کے بل حاضر ہوں گا۔ مگر رئیسہ سے نہیں ملوں گا نہ اس سے کوئی گفتگو بلا واسطہ یا بالواسطہ کروں گا۔

مہتمم صاحب نے اس مشروط شرکت کو بھی غنیمت سمجھا۔ اور حضرت کو تشریف آوری کے لئے لکھا۔ چنانچہ حضرت وہاں تشریف لے گئے۔ بڑا پر اثر وعظ فرمایا جس سے رئیسہ بھی متاثر ہوئیں۔ آپ وعظ فرمانے کے فوراً بعد بغیر کسی کو ملے یہاں تک کہ حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ملے بغیر چلے آئے تا کہ کسی کو کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہ ملے اور نہ ہی اصرار کرے۔ رئیسہ کو بھی اس واقعہ کا علم ہو گیا اور اس نے محسوس کیا کہ علما میں بھی خود دار لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مدرسہ میں جو مٹھائی تقسیم کی تھی اس میں سے اپنا حصہ حضرت کو اسٹیشن پر یہ کہلا بھیجا کہ یہ مٹھائی عام تقسیم کی نہیں خود میرے حصے کی ہے اس لئے ضرور قبول فرمالیں۔ چونکہ اس کو اپنے امراض باطنی کا احساس ہو گیا تھا اس لئے حضرت نے وہ مٹھائی قبول فرمالی۔ اور اس طرح حضرت نے نہایت خوش اسلوبی سے علما کو بنظر حقارت دیکھنے والی کا ایسا علاج فرمایا کہ وہ پھر علما کی بڑی عزت کرنے لگی۔

انگریز کی دعوت:

الافاضات الیومیہ میں حضرت کا ارشاد درج ہے کہ مجھے اکثر اوقات انگریزوں کے ساتھ بھی سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مگر کبھی کوئی شریر نہیں ملا۔ ایک مرتبہ ایک دوست کے اصرار پر کلکتہ سے سیکنڈ کلاس میں سوار ہوا۔ اس ڈبہ میں ریلوے کا ایک انگریز افسر بھی سوار ہوا، جسے اوپر کے تختے پر جگہ ملی۔ کہنے لگا کہ ہم کو نیچے کے تختے پر تھوڑی سی جگہ کھڑکی کی طرف آپ دے دیں، ہم کو بار بار ریلوے کے انتظام کے لئے باہر آنا جانا پڑتا ہے۔ میں نے کہا، بہت اچھا، ہمارا کوئی حرج نہیں، آپ بیٹھ جائیں، وہ بیٹھ گیا۔ جب کھانے کا وقت آیا میں نے ان دوست کے ذریعہ سے دریافت کیا کہ آپ کھانا کھائیں گے؟ کہا، مجھ کو کیا عذر ہے؟ ہم نے کھانا بازار سے خریدا تھا جو پتوں پر ملا تھا۔ ہم نے اس کو بھی اس خیال سے کہ کون برتنوں کو دھوتا پھرے گا، انہی پتوں پر کچھ کھانا رکھ کر دے دیا۔ جو اس نے بڑی خوشی سے لے کر کھایا۔ ایک صاحب پوچھنے لگے کہ برتن میں کھانا کیوں نہ دیا؟ میں نے کہا چونکہ پڑوسی تھا اس لئے حق جوار ادا کر دیا، حق احترام ادا نہیں کیا کیونکہ اسلام سے محروم تھا۔ وہ جب اسٹیشن پر اترا تو شکریہ ادا کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ کو بہت تکلیف ہوئی ہماری وجہ سے اور ہم کو آپ کی وجہ سے بہت آرام ملا۔ ایک اور رفیق سفر کہنے لگے، اگر آپ برتنوں میں کھانا دیتے تو زیادہ شکریہ ادا کرتا۔ میں نے کہا یہ بھی ممکن تھا کہ شکریہ تو ادا نہ کرتا بلکہ اپنے کو بڑا سمجھتا کہ ہمارا احترام کیا گیا ہے۔ پھر شکریہ کی ضرورت ہی کیا محسوس ہوتی۔

توکل علی اللہ:

ایک سفر میں کسی چھوٹے اسٹیشن پر بارش کی وجہ سے اسٹیشن ماسٹر نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو گودام میں ٹھہرا دیا۔ جب رات ہوئی تو ریلوے کے کسی

ملازم کو اس میں لالٹین جلانے کا حکم بھی دے دیا۔ حضرت کو شبہ ہوا کہ کہیں ریلوے کمپنی کی لالٹین نہ ہو۔ لیکن اس خیال سے منع فرمانے میں بھی تامل ہوا کہ یہ ہندو ہے دل میں کہے گا کہ اسلام میں ایسی تنگی اور سختی ہے۔ اس کشمکش میں دل ہی دل میں دعا شروع فرمادی کہ یا اللہ! آپ ہی اس سے بچایئے۔ اس کے بعد ہی بابو نے ملازم سے پکار کر کہا کہ دیکھو اسٹیشن کی نہیں ہماری لالٹین جلانا۔ حضرت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ان سے فرمایا کہ اسٹیشن کی لالٹین تھوڑا ہی جلنے دیتا اور اندھیرے ہی میں بیٹھا رہتا۔

سفر آخرت کی فکر:

ایک مرتبہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سہارنپور سے کانپور تشریف لے جا رہے تھے کچھ گنے ساتھ تھے۔ ان کو محصول ادا کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر تلوانا چاہا مگر کسی نے نہ تولا بلکہ ازراہ عقیدت ریلوے کے غیر مسلم ملازمین نے بھی کہہ دیا کہ آپ یوں ہی لے جایئے ہم گارڈ سے کہہ دیں گے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا، غازی آباد تک۔ فرمایا، غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس کے آگے کیا ہوگا؟ کہنے لگا، وہ گارڈ کانپور تک لے جائے گا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔ فرمایا، نہیں وہاں سفر ختم نہ ہوگا ایک اور سفر آخرت بھی ہے وہاں کیا انتظام ہوگا۔ یہ سن کر سب دنگ رہ گئے اور بہت متاثر ہوئے۔

معمولات کی پابندی:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ انضباط اوقات جبھی ہو سکتا ہے اگر اخلاق و مروت سے مغلوب نہ ہو اور ہر کام کو اپنے وقت اور موقع پر کرے۔ اور تو

اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے استاد محترم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار مہمان ہوئے۔ حضرت والا نے راحت کے سبب ضروری انتظام کرتے رہے۔ جب تصنیف کا وقت آیا تو باادب عرض کیا، حضرت! میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر بعد میں حاضر ہو جاؤں گا۔ فرمایا، ضرور لکھو۔ میری وجہ سے اپنا حرج نہ کرو۔ گو اس روز حضرت کا لکھنے میں دل نہیں لگا لیکن ناغہ نہ ہونے دیا تاکہ بے برکتی نہ ہو۔ چنانچہ تھوڑا سا لکھ کر پھر حاضر خدمت ہو گئے۔

توکل وقناعت:

حضرت حکیم الامت قدس سرہ جب جامع العلوم کانپور میں مدرس اول بن کر تشریف لے گئے تو حضرت کی تنخواہ پچیس روپے تھی۔ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کو زائد ہی سمجھتے رہے وہ خود اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی اپنی تنخواہ سوچا کرتا تھا تو زیادہ سے زیادہ دس روپے سوچتا تھا۔ پانچ روپے اپنی ضروریات کے لئے اور پانچ روپے گھر کے خرچ کے لئے بس اس سے زیادہ تنخواہ پر کبھی نظر ہی نہیں جاتی تھی نہ اس سے زیادہ کا اپنے آپ کو مستحق سمجھتا تھا۔

فکر آخرت:

سفر سے آپ خود بھی عبرت پکڑتے تھے اور اس کی مثال دے کر دوسروں کو درس عبرت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سفر کے وقت اکثر یہ خیال آیا کرتا ہے کہ اے نفس! ضرورت کی چیزیں تو بس اتنی ہی نہیں جتنی اس وقت سفر میں ساتھ ہیں کہ دو چار کپڑوں کے جوڑے ہیں، بستر اور لوٹا ہاتھ میں ہے، اب مجھے سفر کئے ہوئے دو ماہ ہوئے ہیں، ان چیزوں کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوتی جو گھر میں بھری

ہوتی ہیں بلکہ سفر میں بھی جب بعض چیزیں غیر ضروری معلوم ہوئیں تو گھر بھیج دی گئیں لیکن میں کیا کروں میں تو بہت بچنا چاہتا ہوں کہ زیادہ بکھیڑا جمع نہ ہو مگر حق تعالیٰ میرے پاس بہت کچھ بھیجتے ہیں۔ میرے دوست احباب کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں وہ بھی بہت سی چیزیں بھیج دیتے ہیں جن کو واپس کرتا ہوں تو ان کا دل برا ہوتا ہے اور واپس نہ کروں تو خود بوجھ محسوس کرتا ہوں اس لئے میں اپنی مملوکہ چیزوں کا جائزہ لیتا رہتا ہوں اور غیر ضروری اسباب کو نکالتا رہتا ہوں۔

اذکار واشغال کی ترتیب:

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہ کی خدمت میں رہتا تھا تو حضرت کی خدمت میں حاضری کے سوا اور اوقات میں تمام ضیاء القلوب کے اذکار واشغال کو بہ ترتیب روزانہ عمل میں لاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ ان سب کا پورا کرنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ ایک روز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں یہ قصہ عرض کیا۔ حضرت ہنسے اور فرمایا یہ سبق نہیں ہے بلکہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ طبیب کی دوکان پر اقسام مختلفہ کی ادویہ رکھی ہوئی ہیں تو ان کے رکھنے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ہر مریض ان سب ادویہ کو استعمال کرے بلکہ غرض یہ ہے کہ جس مریض کے لئے جو دوا مناسب ہوگی وہ اس کو دی جائے گی سو اسی طرح بہت سے طرق جمع کر دیئے ہیں اور ہر طالب کے لئے جو شغل مناسب ہوتا ہے وہ اس کو بتلایا جاتا ہے۔ پھر ہمارے حضرت ﷺ نے فرمایا کہ دستر خوان پر مختلف کھانے رکھے جاتے ہیں اس لئے نہیں کہ سب کھانوں کو سب ہی کھائیں بلکہ اس لئے کہ جو کھانا جس کو پسند ہو وہ اس کو کھالے۔ اصلی غرض عقلاء کی متعدد اطعمہ سے یہی ہے۔ گو اہل عرف اس کی حقیقت نہ سمجھیں اور فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے یہ تحقیق نصیب ہوئی۔

امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری 14 ربیع الاول 1310ھ بروز جمعہ پٹنہ صوبہ بہار (بھارت) میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد صاحب کا نام حافظ ضیاء الدین تھا۔آپ کا سلسلہ نسب چھتیسویں پشت میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتا ہے۔ابتدائی تعلیم اور قرآن پاک کا حفظ آپ نے اپنے نانا جان سے کیا۔قرات قاری سید عمر عاصم عرب سے سیکھی۔پٹنہ سے پنجاب منتقل ہوئے تو راجووال میں قاضی عطا محمد صاحب کے مدرسہ میں پڑھتے رہے اس کے بعد 1914ء میں امرتسر آ گئے اور وہاں مولانا نور احمد امرتسری سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی، فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سے حاصل کی۔ حدیث کی تعلیم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ لاہور سے حاصل کی۔

آپ سب سے پہلے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف والوں سے بیعت ہوئے، ان کے وصال کے بعد آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔حضرت رائپوریؒ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

آپ ہندوستان کے ایک شعلہ بیان مقرر، عظیم مجاہد اور تحریک آزادی کے نامور کارکن تھے۔ہندوستان و پاکستان کا کوئی شہر ایسا نہیں تھا جہاں آپ نے اپنی سحر آفریں خطابت سے سوئے ہوئے جذبات کو جگا نہ دیا ہو۔انگریز حکومت کے خلاف جلیانوالہ باغ کا واقعہ آپ کو سیاست کے میدان میں لے آیا۔شاہ جی ملک و ملت کے ایک عظیم خطیب اور قائد بن گئے اور ہمیشہ انگریز کو ناک چنے چبواتے

رہے۔فرنگی کے خلاف شاہ جی کی زبان الفاظ نہیں شعلے برساتی تھی۔ان کی آنکھیں گہری سرخ ہوتیں اور سننے والے ہرلب پر صدائے تحسین اور ہر آنکھ میں آنسو ہوتے تھے۔

آپ نے چالیس برس تک شرک و بدعت، رسومات اور تمام سماجی برائیوں کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔آپ نے مرزائیت کی بیخ کنی اور عقیدہ ختم نبوت کو بھی اپنا میدان بنایا اور اس میدان میں مرزائیت کو شکست فاش دی۔آزادی وطن کے حصول اور ختم نبوت کی حفاظت کے لئے جو شاہراہ کار انہوں نے متعین کی تھی آخری سانس تک اسے نبھاتے رہے اور بالآخر یہ مرد حق 9 ربیع الاول 1381ھ مطابق 21 اگست 1961 کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سامعین کو نصیحت:

حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چالیس برس تک لوگوں کو قرآن سنایا، پہاڑوں کو سناتا تو عجب نہ تھا کہ ان کی سختی بھی نرمی میں بدل جاتی، غاروں سے ہمکلام ہوتا تو جھوم اٹھتے، چٹانوں کو جھنجھوڑتا تو چلنے لگتیں، سمندروں سے مخاطب ہوتا تو ہمیشہ کے لئے طوفان بلند ہو جاتے، درختوں کو پکارتا تو وہ دوڑنے لگتے، کنکریوں سے کہتا تو وہ لبیک کہہ اٹھتیں، مرمر سے گویا ہوتا تو وہ صبا ہو جاتی، دھرتی کو سناتا تو وہ اس کے سینہ میں بڑے بڑے شگاف پڑ جاتے، جنگل لہرانے لگتے، صحرا سر سبز ہو جاتے، میں نے ان لوگوں کو خطاب کیا جن کی زمینیں بنجر ہو چکی ہیں، جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط ہے، جن کے ضمیر عاجز آ چکے ہیں، جو برف کی طرح ٹھنڈے ہیں، جن کی پستیاں انتہائی خطرناک ہیں، جن کے پاس ٹھہرنا المناک اور جن سے گزرجانا طرب ناک ہے، جن کے سب سے بڑے معبود کا نام طاقت ہے۔

کھانے پینے کا معمول:

حضرت شاہ صاحب مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے تھے۔ ہر چیز کو اللہ کے تابع سمجھتے۔ حال سے بس اتنا ہی تعلق تھا کہ اس کو جھنجھوڑتے اس پر کڑھتے یا کبھی کبھار اس پر قہقہے لگاتے تھے۔ البتہ وہ ماضی کے انسان تھے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا، سونا جاگنا، سوچنا سمجھنا اور بولنا ہنسنا سب ماضی کا مرہون اثر تھا۔ وہ تہبند اس لئے باندھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تہبند باندھا کرتے تھے۔ وہ کسی بھی غذا کے عادی نہ تھے، ساگ، ستو جو ملا خدا کا شکر کیا اور کھا لیا۔ میں نے ہری مرچوں کی رغبت کے سوا ان میں کسی شے کے لئے رغبت نہیں پائی۔ انہیں بغیر پکائے بھی کھا لیتے اور قیمے میں بھون کر بھی کھا لیتے۔ ہمیشہ پہننے میں موٹا کپڑا ہی استعمال کرتے تھے۔ اکثر فرش پر ہی بستر کھول کر سو جاتے اور ٹھنڈا پانی بکثرت پیتے تھے۔

ہدیہ قبول کرنے کی شان:

بظاہر حضرت کا کوئی کاروبار نہ تھا ان کے خاص معتقدین مدد فرماتے تھے۔ مگر نہ تو کبھی چھپ کر ہدیہ قبول فرماتے اور نہ اس پر پردہ پوشی ہی کے قائل تھے۔ جب کوئی مٹھی بند کر کے کچھ دینا چاہتا تو مٹھی کھول دیتے کہ چھپاتے کیوں ہو؟ کیا چوری کا مال ہے؟ جماعت سے ایک چونی بھی نہ لیتے۔ یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے کسی جماعت سے کبھی نہ کرایہ وصول کیا نہ وظیفہ لیا نہ قرض حسنہ اور نہ امانت قبول کی۔ ان کے مداح انہیں خود ہی بے نیاز رکھتے تھے۔

ایفائے عہد:

حضرت شاہ جی اگر کسی سے وعدہ کرتے تو اس کو پورا کرتے تھے۔ سال کے 365 دنوں میں 330 دن تقریریں فرماتے لیکن وقت کی پابندی ان کے بس کا روگ

نہ تھا۔ جلسہ میں دیر سے پہنچتے اور جس کے ہاں جا کر ملنا ہوتا وہاں وقت مقررہ سے دو چار گھنٹے اوپر ہو جانا معمولی بات تھی ۔ مولانا آزاد سے ملنے کا وقت طے کیا ۔ وہ سیکنڈوں پر نگاہ رکھنے والے تھے ۔ وہاں بھی کوئی دو گھنٹے لیٹ پہنچے ۔ وقت ہو رہا تھا دوستوں نے متوجہ کیا مگر قیلولہ کرنے لگے ۔ مسٹر گاندھی سے بھی یہی کہا ۔ مولانا حبیب الرحمن کہا کرتے تھے کہ شاہ جی نے انگریزوں کے خلاف اتنا جہاد کیا ہے کہ کئی انسانوں کا مجموعہ بھی یہ نہیں کرسکتا ۔ مگر وقت کے اسراف کا یہ حال ہے کہ آج اگر انگریز یہ کہیں کہ فلاں روز ٹھیک اتنے بج کر اتنے منٹ پر شاہ جی کو فلاں جگہ بھجوا دو تو ہم آزادی کا پروانہ دیں گے تو آزادی کبھی نہیں ملے گی ۔ کیونکہ شاہ جی اور وقت کی پابندی دو بہت متضاد چیزیں ہیں ۔

حقیقت کا اظہار:

پاکستان بن جانے کے فوراً بعد راولپنڈی میں کسی دینی جماعت کا ایک جلسہ تھا ۔ شاہ جی بھی مدعو تھے ۔ راجہ غضنفر علی خان وزیر تھے ۔ جلسہ کے صدر نے شاہ جی کو تقریر کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ شاہ جی جس لیگ کے مخالف تھے اسی لیگ نے انہیں پناہ دی ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ جملہ طنزیہ تھا ۔ شاہ جی نے اٹھتے ہی جواب دیا، ہاں بھائی ! یہ پناہ آج سے نہیں مل رہی اس کی بڑی لمبی تاریخ ہے ۔ میرے ابا کو بھی پٹنے کے بعد تمہارے ابا کے گھر میں پناہ ملی تھی ۔ یہ سن کو مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا ۔

جیل جانے کی وجہ:

ختم نبوت کی تحریک کے دنوں میں شاہ جی کسی جیل میں محبوس تھے ۔ ایک بہت بڑا سرکاری افسر آیا ۔ باتوں باتوں میں کہنے لگا ، شاہ جی اب اسلامی حکومت ہے،

پہلے جیل جاتے تھے تو لوگ قدر کرتے تھے، اب تو وہ دن نہیں رہے، لوگ بھول جائیں گے، چھوڑیئے اس قضیے کو باہر کوئی اور کام کیجئے۔ فرمایا، ٹھیک ہے بھائی، لیکن میں کبھی لوگوں کے لئے جیل نہیں گیا۔ میں تو اسلام اور آزادی کے لئے جیل جاتا رہا ہوں، رہا اسلامی حکومت کا سوال تو مجھے تم سے اتفاق ہے۔ مگر یہ نہ بھولو کہ اسلامی حکومتوں میں بھی کچھ لوگ جیل میں رہا کرتے تھے۔

تقریر کا اثر:

خان غلام محمد خان نے سنایا کہ میں نے نہ تو شاہ جی کو دیکھا ہوا تھا اور نہ ہی میرا سیاسی مسلک ان جیسا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلی دروازہ کے باہر سے گزرا تو شاہ جی تقریر کر رہے تھے۔ میں بڑے ضروری کام میں تھا۔ اس خیال سے رک گیا کہ جس مقرر کی اتنی شہرت ہے اسے پانچ منٹ سن تو لوں۔ میری عادت یہ ہے کہ جلسہ میں ایک ساتھ بیٹھنا میری فطرت میں نہیں۔ میں پانچ منٹ تک شاہ جی کی تقریر کی لذت لیتا رہا۔ پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں، ان کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔ پھر لیٹ گیا، اور ساری رات لیٹے ہوئے تقریر سنتا رہا اور ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام ہی بھول گیا، یہاں تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی، شاہ جی نے تقریر کے خاتمہ کا اعلان کیا تو مجھے خیال آیا کہ اوہو، ساری رات ختم ہوگئی، یہ شخص تقریر نہیں بلکہ جادو کر رہا تھا۔

شاگردوں پر شفقت:

1950ء میں سفر حج میں آپ کے ایک شاگرد رشید بھی ساتھ تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں دوستوں اور وہاں کے علماء سے ملنے چلا جاتا یا کسی اجتماع میں شرکت ہوتی۔ ظہر کے بعد جب حرم شریف سے خلوت میں حاضر خدمت ہوتا تو دیکھا

حضرت کے پاس کھانا رکھا ہے اور حضرت منتظر ہیں، بڑی شفقت سے فرماتے کہ تمہیں تو کھانے کا بھی ہوش نہیں ہے۔ دیکھو تمہارے لئے یہ روٹیاں رکھی ہیں، یہ کھانا تمہاری صحت کے مطابق ہے۔

احباب سے تعلق:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خصوصی اہل تعلق کے آنے سے بڑے مسرور ہوتے، کبھی فرماتے کہ تم نے حد کردی بڑا انتظار کرایا۔ کبھی کسی سے رخصت ہونے پر فرماتے کہ دیکھئے اب کب ملاقات کے لمحے نصیب ہوتے ہیں۔ ایک خادم کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مرادآباد سے رخصت ہونے لگا، حضرت شاہ جی نے مولوی عبدالستان صاحب سے فرمایا کہ اسٹیشن جا کر گاڑی پر سوار کرانا اور سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ خرید کر دینا۔ چلتے وقت دیکھا تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ تحمل وضبط کہتا ہے کہ چھلکنے نہ پائیں اور محبت کہتی ہے کہ کیا حرج ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت 1295ھ میں موضع ڈھڈیال ضلع سرگودھا میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت حافظ احمد ایک نیک سیرت بزرگ تھے اور آپ کا خاندان ایک دینی وعلمی خاندان تھا۔ آپ نے قرآن مجید اپنے تایا جان مولانا کلیم اللہ صاحب کے پاس حفظ کیا اور فارسی کے چند رسالے بھی ان سے پڑھے۔ صرف ونحو کی کتابیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تلمیذ مولانا محمد رفیق صاحب سے پڑھیں۔ اس کے بعد ہندوستان کے مختلف مدارس عربیہ میں رہ کر درس نظامی کی متفرق کتب پڑھیں اور درس نظامی کی تکمیل کی۔ آپ کو منطق وفلسفہ میں بہت

مہارت حاصل تھی۔ حدیث کی کتب مدرسہ عبدالرب دہلی میں مولانا عبدالعلیؒ سے پڑھیں۔ دہلی قیام کے دوران امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ترمذی شریف کے چند اسباق کی سماعت بھی کی۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ نے طب یونانی کی باقاعدہ تحصیل کی اور ضلع بجنور کے ایک قصبہ افضل گڑھ میں مطب بھی کیا۔ کچھ عرصہ بریلی میں قرآن وحدیث کا درس بھی دیتے رہے۔ لیکن آپ کی بے چین طبیعت کسی کام میں لگتی نہ تھی۔ آخرکار تلاش حق میں دیوانہ وار نکل کھڑے ہوئے حتیٰ کہ شیخ العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور پہلی ہی ملاقات میں اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کیلئے انہی کا ہو کر رہنے کی تمنا کا اظہار کیا۔ ہرچند کہ حضرت اقدس رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو گنگوہ حاضر ہونے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے اصرار کیا کہ میری طبیعت آپ کی طرف ہی مائل ہے۔ انہوں نے آپ کو بیعت فرمالیا اور ذکر اذکار کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد آپ زندگی بھر یاد حق اور خدمت شیخ میں مصروف رہے۔ اپنا وقت ریاضت مجاہدہ اور ذکر اذکار میں گزارتے تھے۔ آپ کے شیخ معظم آپ سے آخری دم تک راضی رہے۔ اور بوقت وصال آپ ہی کو اپنا خلیفہ وجانشین بنایا اور رائپور میں ہی قیام رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اسی نسبت سے آپ رائپوری کہلائے۔

آپ شیخ کے رحلت کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور پورے پینتالیس سال تک تلقین ارشاد کا کام کرتے رہے۔ اپنے عمل واخلاص سے خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کیا۔ لاکھوں مسلمانوں کو فسق وفجور سے توبہ کروائی اور سینکڑوں علماء کو روحانی منازل طے کروائیں اور بہت سے حضرات کو خلافت سے نوازا۔ ساری زندگی طالبین حق کی اصلاح وتربیت اور گم گشتگان بادہ ضلالت کی رہنمائی کے بعد یہ آفتاب حکمت وہدایت زندگی کی نوے منزلیں طے کرکے 14 ربیع الاول 1382

ہ کو ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔

انہماک مطالعہ:

حضرت شاہ صاحب کو کتاب سننے کا بہت شوق تھا۔ کسی زمانے میں اس معمول میں اتنی ترقی اور انہماک ہو جاتا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کتاب سنے بغیر چین نہیں آتا۔ بھٹ ہاؤس سہارنپور کے قیام میں اکثر دیکھا گیا کہ نماز فجر کے بعد جو آرام فرمانے کا معمول تھا۔ اس سے بیدار ہو کر فوراً آزاد صاحب کی طلبی ہوتی۔ فتوح الشام یا صحابہ کرامؓ کے حالات کی کوئی کتاب پڑھنے کا حکم ہوتا۔ آزاد صاحب کسی ضرورت سے اٹھتے، دوبارہ ان کی طلبی ہوتی۔ خاموش ہوتے تو فرمایا جاتا کہ کیوں خاموش ہوئے۔ کتابوں کے ذوق کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ راقم السطور نے اکتوبر 60ء میں اپنے وطن رائے بریلی سے اطلاع دی کہ تاریخ دعوت وعزیمت کے تیسرے حصے کے سلسلہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ مرتب ہو گیا ہے۔ اس خط کے کچھ عرصہ بعد رائے پور حاضری دی۔ مصافحہ کے ساتھ ہی کتاب کا مسودہ طلب فرمایا اور اسی وقت پڑھنے کا حکم ہوا۔ نماز کے وقفے کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا اور جب تک کتاب ختم نہ ہو گئی کوئی دوسرا کام ان وقتوں میں نہیں ہوا۔

کیفیات میں قوت:

رائے پور میں ہر نو وارد کو سب سے پہلے جو چیز متوجہ کرتی تھی وہ ذکر کی کثرت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پتہ پتہ سے اللہ کے نام کی آواز اور صدا آ رہی ہے۔ دن اور رات کے کم اوقات ذکر کی آواز سے خالی نظر آتے۔ رائے پور کی فضا اور حضرت کے دامن عاطفت میں کم سے کم استعداد والے آدمی کو بھی یہ بات محسوس ہوتی کہ

سکون و اطمینان کی ایک چادر پوری فضا اور ماحول پر تنی ہوئی ہے وہاں پہنچ کر ہر غم غلط اور ہر تردد اور فکر فراموش ہو جاتی تھی۔ اہل نظر و اصحاب بصیرت کو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ حضرات نقشبندیہ کی نسبت سکینت ہے جو پورے ماحول پر محیط اور غالب ہے۔ اس میں حضرت سے جتنا قرب ہوتا اتنا ہی اس کیفیت و احساس میں قوت پیدا ہوتی۔ گویا مرکز سکینت وہ ذات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نفس مطمئنہ اور یقین و رضا کی دولت سے نوازا ہے۔

مجلس کا واقعہ:

حضرت شاہ صاحب کی مجلس کا ایک واقعہ سناتے ہوئے ایک حاضر خانقاہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خیال آیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کی مجلس میں حال طاری ہو جاتا ہے مگر میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ یہ میرے قیام کا اخیر دن تھا۔ دوسرے روز واپسی تھی۔ مغرب کے بعد جب ذکر میں بیٹھا تو بیٹھتے ہی عجب حالت شروع ہوگئی۔ گریہ اور محویت اور توجہ الی اللہ ایسی ہی کہ گویا اللہ تعالیٰ سامنے ہے اور حضرت میرے جانب ہیں اور میری تسلی فرما رہے ہیں۔ تمام ذاکرین پر عجب حالت طاری تھی۔ اس حالت میں میں نے ذکر بڑی دقت سے پورا کیا اور آخر مجبوراً چھوڑ کر حاضر خدمت ہوا۔ راؤ عطا الرحمٰن خان نے عرض کیا کہ حضرت! آج تو عجب حالت تھی۔ آزاد صاحب نے تو قوالی ہی شروع کر رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا اوہو، لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ بس تمام حالت دگرگوں ہوگئی۔

محبت شیخ:

حضرت کے خمیر میں شروع سے محبت و عشق کی چنگاری تھی۔ اور یہ ان کا فطری ذوق اور حال تھا۔ اس لئے مشائخ اور بزرگوں میں بھی جن کو یہاں عنصر نمایاں اور

غالب نظر آتا تھا ان سے خصوصی مناسبت اور عقیدت تھی ۔ اسی بنا پر محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے عشق کا سا تعلق تھا۔ اور ان کے حالات سے خاص شغف تھا۔ اور کسی طرح ان کے حالات سے سیری نہیں ہوتی تھی۔ لاہور کے دوران قیام 1959ء میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر کسی دوست کی تحریک وتذکرہ پر تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن عصر کے بعد کی مجلس میں پڑھایا جانے لگا۔ اس وقت تک کتاب چھپی بھی نہیں تھی اور میرے پاس اس کا ناقص مسودہ تھا کتاب شروع ہوئی اور مولانا کے سادہ لیکن دل کو تڑپا دینے والے حالات و واقعات پڑھے جانے لگے تو ساری مجلس پر ایک کیف سا طاری ہو گیا۔ جو درحقیقت حضرت کی کیفیت باطنی کا عکس تھا۔ زبان حال گویا کہہ رہی تھی،

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

بعض اہل مجلس نے بیان کیا کہ ایسا کیف مجلس میں اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”بڑی پیاری باتیں ہیں“ پھر فرمایا ”پیاروں کی باتیں پیاری ہی ہوتی ہیں“۔

زیب وزینت کا معیار:

ایک مرتبہ حضرت مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے۔ اس خادم نے عرض کیا کہ حضرت !اس مسجد میں بعد کے لوگوں نے بڑی زیب و زینت پیدا کر دی اور قیمتی قالین بچھا دیئے، کاش! یہ مسجد اپنی پہلی سادگی پہ ہوتی۔ معلوم نہیں اس وقت حضرت کس حال میں تھے۔ یہ سن کر حضرت کو جوش آ گیا اور فرمایا ”دنیا میں جہاں کہیں زیب وزینت ہے انہی کا صدقہ تو ہے“۔

عشق نبوی ﷺ:

مرض وفات میں مدینہ طیبہ کا ذکر سن کر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی۔ اور بعض اوقات بلند آواز سے رونے لگتے۔ مولانا محمد صاحب انوری عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ حضرت سے رخصت ہونے کے لئے آئے۔ مدینہ طیبہ کا ذکر ہوا تو حضرت دھاڑیں مار کر روئے۔ مولانا محمد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی حضرت اقدس کو اس سے پہلے بلند آواز سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ بابو عبدالعزیز صاحب آئے تو ان سے فرمایا کہ دیکھو، یہ مدینہ جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت کی چیخیں نکل گئیں۔

عاجزی وانکساری:

ایک مرتبہ فیصل آباد کے قیام میں اس بارے میں خدام اور احباب میں بڑی کشمکش تھی کہ حضرت رمضان کہاں کریں۔ فیصل آباد کے اہل تعلق فیصل آباد کے لئے کوشاں تھے، لاہور کے لاہور کے لئے اور قریشی صاحب راولپنڈی کے لئے عرض کرتے تھے۔ حضرت نے ایک روز سحری کے وقت تینوں گروہوں کے خاص خاص اشخاص کو بلایا اور فرمایا کہ بھائی دیکھو میں ایک غریب کاشتکار کا لڑکا ہوں۔ میرے گھر میں ایسی غربت تھی کہ میں جب طالب علمی میں آیا کرتا تھا تو میری والدہ کو فکر ہوتی تھی کہ گیہوں کی روٹی کا انتظام کس طرح کریں۔ عجمی بھی ہوں، اول تو کچھ پڑھا ہی نہیں جو کچھ تھوڑا بہت پڑھا تھا وہ بھی بھول گیا۔ اب تم مجھے جو کھینچے کھینچے پھرتے ہو اور کوئی ادھر لے جانا چاہتا ہے کوئی ادھر تو یہ محض اس کی برکت ہے کہ کچھ روز اللہ کا نام لیا۔ آپ خود بھی اخلاص کے ساتھ اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے اور کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ باتوں میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ بعض حضرات کی آنکھوں

میں آنسو آ گئے۔

سخاوت کا واقعہ:

حضرت شاہ صاحب کو غیب سے ضرورت کی اشیاء پہنچتی تھیں اور فوری طور پر صرف بھی ہو جاتی تھیں۔ روپیہ کا رات کو رکھنا اور اس پر رات گزرنا طبیعت پر بڑا بوجھ تھا۔ خدام کچھ پیش فرماتے تو فوراً دوسرے خدام خانقاہ، اہل حاجت اور آنے والوں کو پیش کر دیتے تھے۔ حاجی فضل الرحمن خان کہتے ہیں کہ صرف میرے ہاتھوں سے کئی لاکھ روپے حضرت نے دوسروں کو دلائے ہیں۔ بعض اہل علم کو کرایہ کے نام سے سو دو سو کی رقم عطا فرمانے کا عام دستور تھا۔ ایک خادم جو سفر حج میں تھے حجاز سے مصر و شام چلے گئے تھے ان کے ایک رفیق کو ایک ہزار کی رقم عنایت کی اور فرمایا کہ ان کو بھیج دو اور لکھ دو کہ تمہاری صحت بحری سفر کی متحمل نہیں لہٰذا تم ہوائی جہاز سے سفر کرنا۔ غرض رقم کسی سے وصول کرتے تو فوراً آگے کسی کے حوالے کر دیتے۔

رقم کی فراہمی:

ایک دفعہ مجمع لگا ہوا تھا۔ بہت سے حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے مصافحہ کرتے وقت بے تکلف عرض کیا، حضرت! دس روپیہ کی ضرورت تھی۔ حضرت نے فرمایا، اللہ سے دعا کرو۔ پھر خاموش ہو گئے، تھوڑی دیر میں ایک شخص آیا سو روپیہ کا نوٹ حضرت کے ہاتھ پر رکھا۔ حضرت نے آواز دے کر فرمایا، ارے بھائی! وہ شخص کہاں گیا جو دس روپیہ مانگ رہا تھا۔ وہ بولا! حضرت! میں یہاں ہوں۔ فرمایا، یہ دس روپیہ لے لو۔ اس نے عرض کیا، حضرت! یہ تو سو روپیہ ہے۔ فرمایا لے جا تیری موج ہو گئی۔

شفقت کا واقعہ:

حضرت کی شفقت ومحبت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ایسے شفیق تھے کہ ماؤں کی شفقتیں ان پر قربان۔ میں نے اپنی باون سالہ عمر اور ستائیس سالہ تعلق میں نہ کسی کی ماں اور نہ کوئی استاد، نہ ہوئی دوست، نہ کوئی بزرگ ایسا مہربان دیکھا۔ مہمانوں میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو حضرت کو تمام رات نیند نہیں آتی تھی۔ حضرت کے ملنے والے تمام حضرات فرداً فرداً یہ سمجھتے تھے کہ حضرت کو جتنی مجھ سے محبت ہے اوروں سے نہیں۔ سب سے زیادہ محبت مجھ ہی سے ہے۔ آپ کے اندر کوئی ایسی بجلی کی سی محبت تھی کہ جتنا بھی کوئی مصیبت زدہ اور فکر مند ہوتا حضرت کو دیکھ کر تمام تکلیفیں دور ہو جاتیں۔

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تمام عمر میں ایسا شفیق شخص نہیں دیکھا، کوئی شخص اپنے بیٹوں سے اتنی محبت نہیں کر سکتا جتنی حضرت ہم لوگوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کھانے کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ حضرت نے کمال شفقت سے فرمایا کہ تم کھاتے ہو تو میں ہی کھاتا ہوں۔

آپ 1303ھ میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یو پی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ اس زمانے میں دہلی کی نواحی بستی نظام الدین میں رہتے تھے۔ وہ حافظ قرآن اور فارغ التحصیل عالم تھے۔ عابد و زاہد اور شب بیدار بزرگ تھے، ذکر و عبادت ان کا مشغلہ اور کلام الٰہی کی تدریس ان کا مقصد

حیات تھا۔ انہیں قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق تھا۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے حفظ قرآن کی دولت اپنے والد ماجد سے پائی، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں بھی اپنے والد سے پڑھیں پھر ان کے بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ انہیں اپنے ساتھ گنگوہ لے گئے۔ یہ قصبہ ان دنوں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات عالی صفات کے سبب علماء وصلحاء کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ میں آٹھ نو برس رہے یہاں ان کی بہترین اخلاقی اور دینی تربیت ہوئی۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ 1326ھ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شرکت کے لئے دیوبند پہنچے وہاں ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی۔ اس کے بعد برسوں اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے رہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سلوک کی تکمیل کی اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس ہو گئے۔ 1334ھ میں آپ نے حج کیا۔ ایک سال بعد بڑے بھائی مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو آپ بستی نظام الدین میں مستقل قیام کیلئے دہلی آ گئے۔

بستی نظام الدین میں ایک چھوٹی سی پختہ مسجد، ایک کچا مکان اور ایک حجرہ تھا۔ درگاہ نظام الدین اولیاء کے جنوب میں ایک مختصر سی آبادی تھی، چند میواتی اور غیر میواتی طالبعلم آپ سے پڑھا کرتے۔ طلباء کو چھوٹے بڑے اسباق بڑی کاوش سے پڑھاتے تھے۔ درس حدیث بھی ہوتا تھا۔ آپ کا سب سے عظیم کارنامہ تبلیغ کی تحریک شروع کرنا تھا۔ اس کا آغاز میوات سے ہوا۔ یہاں کے لوگ برائے نام مسلمان تھے، معاشرت زیادہ ہندوؤں سے ملتی جلتی تھی، حضرت نے شب و روز محنت کر کے اس علاقے میں بہت سے مکتب قائم کیے اور آہستہ آہستہ اصلاح و تبلیغ کا

کام پھیلنے اور اثر دکھانے لگا۔ پھر آپ نے عمومی دعوت وتبلیغ کا منصوبہ بنایا اور تبلیغی گشت شروع کیے۔ مولانا نے دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اولین اصول وارکان یعنی کلمہ توحید اور نماز کی تبلیغ کریں۔ پھر انہوں نے جماعتیں بنا کر مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لیے بھیجنی شروع کیں، چند برس کے اندر اندر اس کام میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت دی کہ دور دور تک تبلیغ جماعتیں جانے لگیں اور پورے برصغیر میں اصلاح وتبلیغ کا کام ہونے لگا۔

آپ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور بہت ضعیف؛ کمزور تھے اور علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے پیکر تھے۔ آخری عمر تک جس دعوت وتبلیغ کو لے کر اٹھے تھے اس کے لئے کوششیں کرتے رہے اور ہزاروں ایسے افراد پیدا کر دیئے جو آپ کے بعد آپ کی دعوت کو آپ کے نشان راہ پر چلا سکیں۔ آپ 13 جولائی 1944ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

دعوت وتبلیغ:

مولانا کے نزدیک عاجز وضعیف اور مشغول انسان کے لئے اس محدود اور مختصر زندگی میں اپنی مجبوریوں اور کمزوریوں کے ساتھ طویل ترین، کثیر ترین اور مسلسل اجر وثواب اور ذخیرہ عمل کی صورت اخلاص واحتساب کے ساتھ اس دلالت علی الخیر اور تبلیغ میں مشغولی کے سوا کچھ نہ تھی۔ اگر کوئی شخص دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر نفلیں اور ایک قرآن مجید روزانہ ختم کرے یا لاکھوں روپے روزانہ صدقہ وخیرات کرے تو بھی کثرت میں، نورانیت میں اور قبولیت میں ان لوگوں کے اجر کو نہیں پہنچ سکتا جن کو ان کی دلالت علی الخیر کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی فرض نمازوں، ارکان اور ایمان کا ثواب رات دن کے ہر لمحہ میں پہنچ رہا ہے اور ان کی روح پر اجر وانعام اور انوار وبرکات کی صدیوں سے مسلسل بارشیں ہو رہی ہیں۔

ایک شخص کا عمل، اس کی طاقت اور اس کے اخلاص سینکڑوں آدمیوں کے عمل و طاقت اور اخلاص وشغف وانہماک کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مولانا شخصی عبادت ونوافل پر (ان میں پورے طور پر خود منہمک رہنے اور ان کی انتہائی حرص وشوق رکھنے کے باوجود) اس متعدی خیر اور دلالت علی الخیر کو ترجیح دیتے تھے اور اس کو زیادہ امید کی چیز سمجھتے تھے۔ ایک بزرگ جو اپنی عمر میں بڑے بڑے کام کر چکے تھے اور اب جسمانی انحطاط وتنزل کے دور میں تھے ان کے ایک دوست کے ذریعے اس کا مشورہ دیا کہ اب آپ میں خود کرنے زیادہ طاقت نہیں رہی۔ وقت کم اور کام بہت زیادہ ہے، اس لئے مصلحت اندیشی اور وقت شناسی کا تقاضا اور تفقہ اور حکمت دین یہ ہے کہ دوسروں کے اعمال کا ذریعہ بننے کی کوشش کریں۔ تقریر وتحریر، خطوط و ترغیب کے ذریعہ اپنے دوستوں اور بات ماننے والوں کو اس دعوت وتبلیغ کی طرف متوجہ کریں اور ان کے اجر وثواب میں شریک ہوجائیے۔

اعمال کا دارومدار:

مشکل سے کوئی قدم ثواب کی نیت اور دینی نفع کی توقع کے بغیر اٹھتا ہوگا اور کوئی کام محض نفس کے تقاضے سے ہوتا ہوگا گویا لا یتکلم الا فیما رجا ثوابہ آپ کا حال تھا۔ ان کی ہر نقل وحرکت دلچسپی اور شرکت کا محرک اور باعث اجر اور دینی نفع کی امید اور طمع تھی۔ اسی لئے گفتگو فرماتے تھے، اسی لئے تقریبوں میں شرکت کرتے تھے اور اسی بناء پر غصہ آتا تھا اور پھر اسی لئے راضی ہوجاتے تھے، جو چیز اس مقصد اور اس امید سے خالی ہو اس سے ان کو دلچسپی اور تعلق نہیں ہوتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے کاموں میں بھی یہی حال تھا۔

بقول مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاید بغیر نیت کے ایک چائے کی پیالی بھی نہیں پیتے تھے اور نہ کسی کو پیش کرتے تھے۔

عاجزی وانکساری:

آپ اتنے باریک بین اور حاضر دماغ تھے کہ ایک ہی کام میں الگ الگ نیتوں کے ذریعہ ہر شخص کی سطح کے مطابق خصوصی فائدہ اور اجر وثواب کی رہنمائی کرتے تھے۔ مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لطیف واقعہ لکھا ہے جس سے اس کا اندازہ ہوگا۔

اخیر زمانہ علالت ہی میں جب کہ حضرت اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے ایک روز دوپہر میں بستی نظام الدین پہنچا، ظہر کی نماز کے لئے بعض میواتی خدام حضرت کو وضو کرا رہے تھے اس وقت مجھ پر حضرت کی نظر پڑی۔ اشارہ سے بلایا اور فرمایا، مولوی صاحب! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے باوجود یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برسوں وضو فرماتے ہوئے دیکھا تھا اور ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا تھا پھر بھی وہ معلمانہ طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھتے تھے۔

حضرت کا یہ اشارہ سننے کے بعد جب اس نظر سے میں نے حضرت کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا تو محسوس کیا کہ فی الحقیقت ایسی بیماری کی حالت میں وضو کے لئے حضرت کے وضو سے ہمیں بہت کچھ سبق حاصل ہوسکتا ہے۔

حضرت کو جو تین چار خادم وضو کرا رہے تھے، یہ سب میواتی تھے ان کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ بیچارے مجھے وضو کراتے ہیں میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ اللہ کے لئے مجھ سے محبت اور میری خدمت کرتے ہو اور تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نماز اچھی پڑھتا ہوں، جیسی تم نہیں پڑھ سکتے۔ لہٰذا مجھے وضو اس نیت سے کرادیا کرو کہ اے اللہ! ہمارا گمان ہے کہ تیرے اس بندہ کی نماز اچھی ہوتی ہے جیسی کہ ہماری نہیں ہوتی۔ اس لئے ہم اس کے وضو میں مدد دیتے ہیں تاکہ تو اس نماز کے اجر میں ہمارا بھی حصہ کردے اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تیرے یہ

سادے اور بھولے بندے میرے متعلق ایسا گمان کرتے ہیں، ان کے گمان کی لاج رکھ لے اور میری نماز کو قبول فرما کر انہیں بھی اس میں شریک فرما دے۔

پھر فرمایا اگر میں سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان سے اچھی ہوتی ہے تو اللہ کے یہاں مردود ہو جاؤں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک اپنے ان سادہ دل بندوں ہی کی وجہ سے میری نمازوں کو رد نہ فرمائے گا۔

آخرت کا استحضار:

اسی قبیل کی ایک چیز یہ تھی کہ قیامت کا استحضار اور آخرت کا تصور (آنکھوں کے سامنے تصور کی طرح رہتا) ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اکثر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول یاد آ جاتا تھا کانھم رای عین کہ صحابہ کرامؓ کے سامنے آخرت ایسی رہتی تھی گویا آنکھوں دیکھی چیز ہے۔ ایک مرتبہ ایک میواتی سے دریافت فرمایا کہ دہلی کیوں آئے؟ سادہ دل میواتی نے جواب دیا کہ دہلی دیکھنے کے لئے۔ پھر مولانا کے انداز سے اس کو اپنی غلطی محسوس ہوئی فوراً کہا کہ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے۔ پھر بدل کر کہا کہ آپ کی زیارت کے لئے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ دہلی اور جامع مسجد کی جنت کے سامنے کیا حقیقت ہے اور میں کیا ہوں جس کی زیارت کے لئے تم آئے۔ سڑ گل جانے والا ایک جسم، پھر جنت کا جو ذکر کرنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوا کہ جنت سامنے ہے۔

دعوت دیئے جاؤ:

مجلسوں میں جب تک مولانا کو اپنی دعوت کے پیش کرنے کا موقع ملنے کی امید نہیں ہوتی ان میں شرکت پسند نہ کرتے۔ محض رسماً اخلاقاً شرکت بہت گراں گزرتی۔ فرماتے تھے کہ اگر کہیں جاؤ تو اپنی بات لے کر جاؤ اور اس کو پیش کرو۔ اپنی

دعوت کو غالب رکھو۔

ایک مرتبہ میں نے مولانا سید سلیمان صاحب کا ایک فقرہ سنایا جو انہوں نے ایک جلسہ سے واپس آ کر فرمایا تھا کہ اپنی ایک بات کہنے جاؤ تو دوسروں کی دس باتیں (مروتا) سننی پڑتی ہیں۔ مولانا دیر تک اس کا لطف لیتے رہے اور فرمایا کہ بڑے درد سے کہا ہے۔

موقع ومحل کے مناسب بات:

ایک دفعہ دلی میں کسی مخلص کے یہاں شادی میں آپ کو شرکت کرنی پڑی۔ آپ نے شادی کی خاص مجلس میں بھرے مجمع میں فریقین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آج آپ کے یہاں یہ خوشی کا دن ہے جس دن میں کمینوں تک کو خوش کیا جاتا ہے۔ گوارا نہیں ہوتا کہ گھر کی بھنگن بھی ناخوش رہے۔ بتلایئے حضور ﷺ کے خوش کرنے کی بھی کوئی فکر آپ لوگوں کو ہے۔ پھر آپ نے تبلیغ اور حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کو سرسبز کرنے کی کوشش کو حضور ﷺ کی خوشی کا سب سے بڑا ذریعہ بتلاتے ہوئے اس کے لئے حاضرین کو دعوت دی۔

لایعنی سے اجتناب:

لایعنی (جو بات دینی حیثیت سے مفید اور دنیاوی حیثیت سے ضروری نہ ہو) سے بڑی نفرت اور اجتناب تھا اور اس کی دوسروں کو بھی وصیت فرماتے اور تبلیغ میں نکلنے والوں کو بالخصوص تاکید فرماتے۔ فرماتے تھے" لایعنی میں اشتغال کام کی رونق کو کھو دیتا ہے"۔ جس کام میں دین کا فائدہ نہ دیکھتے اس کو تضیع اوقات سمجھتے۔ ایک مرتبہ میں چبوترہ کے پاس کھڑا ہوا ذوق وشوق کے ساتھ مولوی سید رضا حسن صاحب سے کوئی پرانا واقعہ اور کسی تبلیغی سفر کی روداد سن رہا تھا مولانا نے سنا اور فرمایا

کہ یہ تو تاریخ ہوئی کچھ کام کی بات کیجئے۔

روح کی غذا:

مولانا نے ایک مرتبہ عشق کی یہ تعریف کی تھی "آدمی کی لذتیں اور دلچسپیاں جو دنیا کی بہت سی چیزوں میں بٹی ہوئی ہیں سب نکل کر کسی ایک چیز میں سمٹ آئیں، یہی عشق ہے"۔ مولانا کی یہ تعریف دین کے بارہ میں خود ان پر صادق تھی۔ اس سے ان کی روح کو عشق ہو گیا تھا جس کے سامنے تمام حسی لذتیں اور تاثرات ماند پڑ گئے تھے اور یہ روحی لذت ان کے لئے بالکل حسی اور طبعی لذت بن گئی تھی۔ اس سے ان کو وہ قوت، توانائی اور نشاط و تازگی حاصل ہوتی تھی جو لوگوں کو غذا، دوا سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک کارکن کو جنہوں نے خانہ نشینی کی حالت میں اپنی بے چینی کی شکایت لکھی تھی جواب میں یہی حقیقت لکھی تھی جو کسی اور کے متعلق صحیح ہو یا نہ ہو ان کے متعلق بالکل صحیح تھی۔

> "میرے محترم یہ تبلیغی کام، درحقیقت انسان کی روح کی غذا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو اس غذا سے بہرہ ور فرمایا۔ اب اس کے عارضی فقدان یا کمی پر بے چینی لازمی شے ہے آپ اس سے پریشان خاطر نہ ہوں"۔

بارہا ایسا ہوا کہ کسی خوشخبری کو سن کر یا کسی ایسے آدمی سے مل کر جس کو وہ اپنی دعوت کے لئے مفید سمجھتے تھے وہ اپنی بیماری بھول گئے۔ طبیعت کو اتنی قوت حاصل ہوئی کہ وہ مریض پر غالب آ گئی۔ دفعۃً صحت ترقی کر گئی۔ اس کے برعکس کسی تشویش یا فکر سے ان کی صحت گر گئی۔ ان کی تمام فکریں ایسی فکر میں گم ہو گئیں تھیں جیسا کہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ طبیعت میں سوائے تبلیغی درد کے اور خیریت ہے۔

علالت و بیماری:

آخری علالت میں ضعف کی وجہ سے بعض مرتبہ ایسی کسی خوشی کا تحمل نہ ہوتا۔ جنوری 1944ء میں جب لکھنوء کی جماعت گئی تو ایک دن صبح کی نماز کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے آنے کے بعد تو کانپور میں کام ختم ہو گیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ لکھنوء سے ایک جماعت گئی تھی اور الحمد للہ کام پھر شروع ہو گیا ہے۔ حاجی ولی محمد صاحب کی طرف میں نے اشارہ کیا کہ یہ بھی اسی جماعت میں تھے۔ مولانا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اور ان کے ہاتھ چوم لئے اور فرمایا کہ میرا خوشی سے سر دکھ گیا، مجھے اب بہت خوش بھی نہ کیا کیجئے۔ مجھ میں خوشی کا تحمل نہیں رہا ہے۔

مولانا کی کیفیت یہی تھی کہ ان کی کوششوں میں ان کو جنت کا مزہ آتا تھا۔ اس راستہ میں گرم ہوا بھی ان کے لئے نسیم سحری سے زیادہ خوشگوار اور فرحت بخش تھی۔ ایک دفعہ مئی کی کسی آخری تاریخ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب، مولوی اکرام الحسن صاحب ایک کار پر قطب صاحب گئے۔ لو کے سخت جھونکے آرہے تھے۔ کسی نے کہا، لو آرہی ہے، کھڑکیاں بند کر دو۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا، جی ہاں! اس وقت گرمی زیادہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اللہ کے راستے کی گرم ہوا نسیم سحر سے زیادہ خوشگوار ہے۔

نماز باجماعت کا اہتمام:

ایک مرتبہ دو دوست ریل میں سفر کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے تو نماز پڑھ لی مگر دوسرے کو ہجوم کی وجہ سے نماز پڑھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضرت نے ان سے ملتے ہی دریافت فرمایا، نماز پڑھ لی؟ ایک دوست نے عرض کیا کہ میں نے تو پڑھ لی ہے البتہ میرے رفیق پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر بڑا افسوس کیا اور

اس سلسلہ میں فرمایا کہ میں جب سے اس کام میں لگا ہوں (تقریباً بیس سال سے) ریل پر کوئی نماز جماعت کے بغیر نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تراویح بھی پڑھوا دی۔ اگرچہ بعض اوقات تراویح کی دو ہی رکعت پڑھنے کی نوبت آئی لیکن کلیۃً ترک نہیں ہوئی۔

دعا کے وقت کیفیت:

مولانا بڑی دیر تک اور بڑی بے قراری اور اضطرار کی کیفیت کے ساتھ دعا فرماتے تھے اور دعا کی حالت میں اکثر ان پر خود فراموشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی اور عجیب عجیب مضامین وارد ہوتے۔ پانچوں وقت کی نمازوں کے بعد خصوصاً میوات کے سفروں میں بڑی پر اثر دعائیں فرماتے اور اکثر وہ مستقل تقریریں ہوتیں۔ وہ اللہ سے دل کھول کر مانگتے اور مانگتے وقت اپنی طرف سے کمی نہ کرتے۔ تقریروں کے درمیان یہ فقرہ ابھی تک سننے والوں کے کانوں میں گونج رہا ہے" مانگو اللہ سے"۔

لمحہ فکریہ:

میرے دوستو! یہ تھیں ہمارے اسلاف کی زندگیاں جو رہتی دنیا تک علم وعمل کے آسمان پر سورج بن کر چمکتی رہیں گی۔ آج ذرا ہم اپنے کردار پر بھی نظر ڈالیں کہ ہم ان کے روحانی بیٹے کہلاتے ہیں۔ لیکن ہمارے کردار اور ان کے کردار میں کوئی تھوڑی سی بھی مماثلت ہے؟ آج ہمارے علم وعمل میں فرق ہے، قال اور حال میں فرق ہے، جلوت اور خلوت میں فرق ہے، اتباع سنت ہم میں پوری نہیں بس کچھ ظاہرداری کر لیتے ہیں، تنہائی میں ہماری شخصیت کچھ اور ہوتی ہے اور باہر کچھ اور ہوتی ہے۔ دل سے پوچھیں دل کہتا ہے کہ دو چہرے ہیں۔ ایک چہرہ وہ جو لوگوں کو

دکھانے کیلئے ہے اور ایک وہ چہرہ جو تیرا پروردگار جانتا ہے۔ نہ جانے ہمارے اندر سے یہ دورنگی کب ختم ہوگی؟ اور ہم اپنے آپ کو اپنے اسلاف جیسے اخلاق حسنہ سے کب مزین کریں گے؟ اگرچہ آج بھی کچھ اللہ والے ایسے ہیں جو ذکر الٰہی اور تقویٰ و پرہیز گاری سے اپنی زندگیوں کو آباد کر رہے ہیں لیکن عمومی طور پر ہماری حالت پست سے پست تر ہوتی چلی جارہی ہے۔

اپنے ظاہر کو سنت نبوی ﷺ سے اور باطن کو معرفت الٰہی سے سجا لیجئے۔ تقویٰ کو اپنے شعار بنائیں اور رضائے الٰہی کو زندگی کا مقصد بنائیں، پھر قدم اٹھائیں گے تو اللہ قدموں میں برکتیں ڈال دیں گے، فتوحات کے دروازے کھلیں گے، اللہ تعالیٰ پوری دنیا میں ایسا وقار قائم کریں گے کہ کفر اپنے محلات میں بیٹھے بیٹھے کانپ رہا ہوگا۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمادے اور آخرت میں ان کا ساتھ نصیب فرمائے آمین ثم آمین

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- معہد الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ، بائی پاس جھنگ 0477-625454
- معہد الفقیر گلشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246
- جامعہ دار الہدیٰ، جدید آبادی، بنوں 0928-621966
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7231492
- مکتبہ سید احمد شہید 10 الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7228272
- مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی 051-5771798
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965
- حافظ جنرل سٹور بازار پرانی سبزی منڈی گوجرانوالہ 0431-230644
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی 021-2213768
- مکتبہ علمیہ، دوکان نمبر 12 اسلامی کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی 021-4918946
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار سرائے نورنگ 09261-350364 PP
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیچ مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعہ الصالحات، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی 051-5462347

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد